مرقع افغان

(تاریخی مختصرات)

مرتبہ
مولوی ابرار حسین
ایم۔اے

ناشر
انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ
۱۹۵۳ء

مرقع افغان

(تاریخی مختصرات)

مرتبہ
مولوی ابرار حسین
ایم۔ اے

ناشر
انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ
۱۹۵۳ء

مطبوعہ نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ

فہرست

دیباچہ

ہیروڈوٹس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ابوالتواریخ بھی تھا اور ابوالکذاب بھی۔" یہ تو "ابوالتاریخ" کے بارے میں کہا گیا ہے۔ خود تاریخ کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ

"مبارک ہے وہ قوم جس کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔"

ممکن ہے کہ پہلا قول صحیح ہو لیکن دوسرا قول بطور کلیہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت جس قوم نے تاریخ جیسے ضروری اور مفید و مشکل مضمون کو پروپیگنڈے کا آلہ بنا لیا ہو، خواہ وہ تاریخ اسی قوم کی ہو یا دوسری قوم کی، وہاں تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ، ایسی تاریخ کے ہونے سے اس کا نہ ہونا بہتر تھا۔ لیکن جو تاریخ اس عیب سے پاک ہو اس کے بارے میں یہ قول صحیح نہیں ہے۔

تاریخ کا بھی مثل اور فنون کے ایک موضوع ہے۔ اس کا موضوع...

"حوادثِ ماضی و حال یا اسلاف کے کارناموں کی ترتیب و تدوین" ہے اور اس کی غائت" ان کارناموں سے سبق حاصل کرنا اور ان تجربوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔"

مسلمانوں کی تاریخیں

مسلمانوں کی جو تاریخیں لکھی گئی ہیں ان کو دو قسموں پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو

یورپین مستشرقین نے مرتب کیں، دوسری وہ جو مشرقی مورخوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ اوّل الذکر میں جس انداز سے اسلام اور اس کے کارناموں کو پیش کیا گیا ہے اس کی تشریح کی غالباً اب ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ بعض اصحاب بصیرت نے ان ناروا مقاصد کا پردہ فاش کر دیا ہے جن کے ماتحت یہ لکھی گئیں موخرالذکر میں بعض "اسلامی تاریخیں" بھی جو بالخصوص "شہنشاہیت" کی غرض کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں قریب قریب اسی طرح ناقص ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ایسی تاریخیں بھی ہیں جو ان عیبوں سے پاک ہیں۔

لودھی افغان ہندوستان میں کب آئے

بعض مورخین ــــــ باستثنا مغل ــــــ (جو فی الحقیقت "مغل" نہیں تھے بلکہ نسلاً ترک[1] تھے) ان مسلمانوں کو جو شمال مغرب کی طرف سے ہندوستان میں آکر حکمران ہوئے افغانی ہی سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ خواہ وہ غزنوی ہوں یا غوری۔ خلجی ہوں یا تغلق۔ لودھی ہوں یا سور۔ لیکن حال کے محققین "افغانیت" کو صرف لودھی اور سور ہی تک محدود رکھتے ہیں۔ باقیوں کو وہ افغان شمار نہیں کرتے۔ بہرحال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو لودھیوں کے ہندوستان میں بحیثیت حکمران قدم جمانے کا پتہ ہم کو چوتھی صدی ہجری میں ملتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے ایک بیان سے ظاہر ہوگا۔

[2] "سندھ اور ملتان میں عرب اثرات زائل ہونے کے بعد سندھ پر مقامی زمینداروں نے قبضہ کر لیا اور ملتان میں "افغان لودھی" خاندان نے چوتھی صدی ہجری میں ایک مقامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس سلسلہ کا بانی وہی

---

[1] ۔ ابتداً ہندوستان کے باشندے مسلمانوں کو ترک کہا کرتے تھے۔ چنانچہ دکن کے خطۂ تلنگانہ میں مسلمانوں کو اب بھی ترک کہتے ہیں۔ [2] "آریانا"، کابل۔ شمارہ ہشتم مورخہ اوّل سنبلہ ۱۳۲۳ھ۔ سال دوم۔ صفحہ ۱۹۔

مشہور شیخ حمید ہے. جس نے پنجاب کے مقابلے میں ملتان کی حفاظت کی اور افغانستان کی حکومت غزنویہ کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں کئے۔ اس کا لڑکا اور نواسہ (یکے بعد دیگرے) ملتان پر حکمران رہے۔ یہاں تک کہ سلطان محمود غزنوی نے جس وقت افغانستان کی طوایف الملوکی کا خاتمہ کیا اسی وقت ملتان کے حکمران ابوالفتح داؤد کو بھی جو شیخ حمید کا نواسہ تھا اس نے ختم کر دیا"

اس کے بعد فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے :-

"تاریخ فرشتہ بالخصوص "گنج پنہاں" یا تپہ خزانہ" کے نفیس قلمی نسخہ میں مذکورہ سلسلہ درج ہے۔"

صاحب طبقات اکبری نے آخری حکمران ملتان کے متعلق لکھا ہے[۴]

"حاکم ملتان داؤد بن نصر ملحد تھا۔ سلطان (محمود غزنوی) کی دینی حمیت کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ اس کو سزا دے۔ چنانچہ وہ ملتان کے ارادہ سے روانہ ہو گیا۔ یہ ۳۹۶ھ (تین سو چھیانوے) کا واقعہ ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود نے ملتان پر تادیباً ایسے راستہ سے حملہ کیا کہ داؤد بن نصر کو حملہ کا پتہ ہی نہ چلا۔ مگر اس راستہ میں آنندپال پسر جے پال نے مزاحمت کی۔ مقابلہ کی تاب نہ لا کر کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ سلطان کی فوج نے اس کو وہاں تک پہونچا کر اپنا عقب بہر حال محفوظ کر لیا اور ملتان پہونچکر وہاں کا محاصرہ کر لیا۔ سات روز کے محاصرہ کے بعد حاکم ملتان نے[۵]

بیس ہزار درم دینے منظور کر کے احکام شرعی کو جاری کرنے کا وعدہ کیا اور توبہ کی۔ سلطان نے اسی

---

۴ :- طبقات اکبری۔ جلد اوّل۔ مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۹

۵ :- " " " " صفحہ ۱۰

معاہدہ پر صلح کی اور وہ غزنین واپس ہو گیا۔"

سلطان نے پھر اس کے بعد چار سال تک ملتان کے معاملات میں مطلقاً مداخلت نہیں کی۔ لیکن وہ برابر ان سے باخبر رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ مدعیان کفر کی اصلاح ممکن نہیں کیونکہ وہاں کا الحاد ترقی پر ہے تو پھر اس نے ۴۰۱ھ (چار سو ایک ہجری) میں ملتان پر حملہ کر کے اس پر پورا پورا قبضہ کر لیا۔ اور "ملحدوں" اور "قرمطیوں" کو جو وہاں تھے یا قتل کیا یا قلعہ قید کر دیا۔ جہاں وہ سب مر گئے اسی کے ساتھ ؎

اسی سال داؤد بن نصر کو وہ غزنین لیتا گیا اور
اس نے اس کو قلعہ "غورک" میں قید کر دیا
جہاں وہ مر گیا۔"

غرضیکہ لودھیوں کی وہ حکومت جو چوتھی صدی ہجری میں بمقام ملتان قائم ہوئی تھی پانچویں صدی ہجری کے شروع ہوتے ہی "الحاد" کی نذر ہو گئی۔

اس کتاب کی تدوین میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ مدد "تاریخ داؤدی" سے لی گئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس کتاب کی بنیاد ہی "تاریخ داؤدی" ہے۔ جس کی تفصیل ذیل کی سطور میں ناظرین کو ملے گی:۔

۱۔ طبقات اکبری۔ ملا نظام الدین احمد۔ جلد اوّل۔ مطبوعہ کلکتہ۔
۲۔ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ جلد اول۔ مطبوعہ کلکتہ۔
۳۔ آئین اکبری۔ ... ابوالفضل۔ سرسید اڈیشن۔ مطبوعہ۔
۴۔ تاریخ افاغنہ۔ احمد یادگار۔ مطبوعہ کلکتہ۔
۵۔ سرو آزاد المعروف مآثر الکرام۔ میر غلام علی آزاد۔ جلد اول۔ مطبوعہ لاہور

؎:۔ طبقات اکبری۔ جلد اوّل۔ مطبوعہ کلکتہ۔ صفحہ ۱۰۔

۶۔ اخبار الاخیار ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔
۷۔ ماثر رحیمی ۔ عبدالباقی سہاوندی ۔ جلد اوّل ۔ مطبوعہ کلکتہ
۸۔ تاریخ داؤدی ۔ عبداللہ ۔ قلمی ۔
۹۔ رسالہ ماہانہ "آریانا" کابل (افغانستان)

تاریخ داؤدی پر ایک سرسری نظر

"مرقع افغان" کی بنیاد "تاریخ داؤدی" پر ہے کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جو سلاطین افغان کے تفصیلی حالات کی حامل ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے عباس خاں شروانی کی کتاب "تحفۂ اکبر شاہی" سے استفادہ کیا ہے اور اپنی کتاب میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ "تحفہ اکبر شاہی" کا وہ حصہ جس میں لودیوں کا ذکر ہے نایاب ہے ۔ البتہ وہ حصہ موجود ہے جس میں سلاطین سُور کا ذکر ہے اور جس کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی میں ہے اور ایک نسخہ نواب صدر یار جنگ بہادر کی لائبریری (حبیب گنج ضلع علی گڈھ) میں ہے ۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد نسخہ جات مختلف جگہوں پر ہیں ۔ لیکن خیال ہوتا ہے کہ اس نے اور دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے اور "معتبر راویوں" کی روایات کو بھی درج کیا ہے ۔ اس کے مصنف کا نام عبداللہ ہے جو عہد جہانگیری کا مورخ ہے ۔ اس کے اپنے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں رسوخ حاصل تھا ۔ چنانچہ وہ ایک واقعہ کے سلسلہ میں رقمطراز ہے :۔ [؎۶]

> اس قصہ کو ایک رات بادشاہ جہانگیر بن
> اکبر بادشاہ نے بوقت سواری اپنے ایک

؎۶ :۔ تاریخ داؤدی ۔ قلمی ۔ صفحہ ۲۳ ۔ (اس قصہ کا ذکر حالات بہلولی میں آیا ہے)

مصاحب خاص سے بیان فرمایا۔ خاکسار بھی
اسوقت ہمرکاب تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے
یہ قصہ سنا۔ اس کے علاوہ اسی واقعہ کو میں نے
"سلطان بہلول" کے واقعات میں بھی لکھا دیکھا"

اس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک یہ کہ عبداللہ ضرور ایک بلند پایہ شخصیت کا حامل تھا۔ ورنہ جہانگیر کے بارگاہ میں اس کا رسوخ ممکن نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ "لودھیوں" کے عہد کے جو عجیب قصے اس نے لکھے ہیں ان کی بھی حتی' لامکان چھان بین اس نے کی ہو گی۔

اگر اس نے ذیلاً ایسے واقعات کو بھی لکھ دیا۔ جو خارج از قیاس معلوم ہوتے ہیں تو اس کے علاوہ تاریخ داؤدی کی تاریخی حیثیت پھر بھی قائم رہتی ہے۔

مصنف دیباچہ کتاب میں اپنی تاریخ داتی کے متعلق رقمطراز ہے۔ ؎

"ایک زمانہ تک اس احقر العباد نے معتبر تاریخوں
کا مطالعہ کیا۔ سلاطین کے احوال پر نظر ڈالی۔ سلطنت
افغان کے احوال کو ـــــ جو دنیا کے کارناموں میں
سے ایک کارنامہ تھا ـــــ میں نے متفرق پایا
یہ دیکھ کر طبیعت بے چین ہو گئی اور دل میں آیا کہ
عنایت الہیٰ رہبری کرے تو ان (متفرق احوال)
کو ایک جگہ کر دوں۔ تھوڑے ہی دنوں میں شیخ سعدی
کے اس شعر کی مدد سے کام ہو گیا۔

تمتع زہر گوشۂ یافتم ❊ زہر خرمنے خوشۂ یافتم

؎ :۔ "تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ (۲)

یہ بھی مسلّم ہے کہ جہانگیر کے دربار کا مورخ یقیناً عمر رسیدہ ہوگا۔ اور وہ ایسے لوگوں سے ضرور ملا ہوگا جو ابراہیم لودھی کے عہد کے دیکھنے والے ہوں گے چنانچہ اس نے سلطان ابراہیم کے ایک مصاحب کی زبان سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ اس کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی جو بعید از قیاس نہیں ہے۔ بہر حال میری رائے میں "تاریخ داؤدی"، جو محض افغانوں کی سلطنت کی تاریخ ہے۔ واقعی ان منتشر اوراق کا بہترین اور ایک حد تک مستند مجموعہ ہے جو یکطور منتشر ہو چکے ہیں۔

سلطان سکندر کے بیان میں اس نے مستقل عنوان "در اکبر شاہی می آرد" دیگر لودھن پنڈت ساکن علاقہ لکھنوتی کے قصہ۔ تسخیر دھولپور کے واقعہ۔ آگرہ کے زلزلے۔ اور قبضہ قلعہ مندرو کے سانحہ کو تفصیلاً یکے بعد دیگرے لکھا ہے۔ "تاریخ تحفہ اکبر شاہی" کا مورخ عباس خاں شروانی عہد اکبری کا وہ مستند مورخ ہے جس نے اپنی تاریخ کے "حصہ سوُر" میں اس کی صحت ثابت کرنے کے لئے لکھا ہے کہ اس نے اپنے ان بزرگوں سے حالات سن کر لکھے ہیں جو معرکوں میں موجود و نیز معاملات حکومت میں دخیل تھے۔ ایسے معتبر و مستند بیانات کے اقتباسات یقیناً معتبر ہیں۔

"بابر سکندر" کی ملاقات اور علمی گفتگو کا صرف اسی مورخ نے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:[۹]

"ایک تاریخ میں دیکھا گیا"

لیکن افسوس ہے کہ اس نے کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیا۔ اگر وہ "تحفہ اکبر شاہی" میں دیکھتا تو وہ ضرور مندرجہ بالا عنوان کے تحت اس کو لکھتا۔

۸:۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۵۳۔ ۹:۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۵۶

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ چونکہ اس نے کسی تاریخ یا مورخ کا نام نہیں لیا ہے لہٰذا یہ واقعہ غلط ہے"۔ یہ صحیح ہے کہ سلطان بابر نے جب "تزک بابری" لکھی تو وہ یہ واقعہ بھی ـــــ جو تاریخی حیثیت سے فی الحقیقت اہم تھا۔ ضرور لکھتا۔ لیکن اس سے بھی اصل واقعہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ سلطان بابر نے ممکن ہے کہ اسکو عمداً ترک کر دیا ہو کیونکہ اس نے "تزک بابری" ہندوستان کے شہنشاہ ہونے کے بعد ترتیب دی ہے۔ اور بعض واقعات کا تذکرہ مناسب نہ سمجھا ہو اب رہی یہ بات کہ ہمعصر مورخین نے۔ جن کے نام اور کام ہمارے سامنے ہیں ـــــ کیوں نہیں لکھا۔ اس کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک مورّخ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس قوم یا جس ملک کی تاریخ لکھے اس کو واقعات کے اعتبار سے اس قدر مکمل لکھے کہ پھر دوسرے کے لئے گنجائش نہ رہے۔ اوّل تو یہ محال ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے تو ایک ہی زمانہ اور ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم کی نہ تو متعدد تاریخیں ہوتیں اور نہ ان کے مختلف مورّخ ہوتے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو واقعات مختلف نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ ایک تاریخ گویا دوسری کی نقل ہوتی۔

ان وجوہ سے میں سمجھتا ہوں کہ " بابر۔ سکندر" گفتگو کا جو حال صاحب تاریخ داؤدی نے لکھا ہے وہ قابل استبعاد نہیں ہے۔ بلکہ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو بعید از قیاس بھی نہیں ہے۔

محمد ابرار حسین عفی عنہ،

مورخہ علی گڈھ۔ یکم اپریل ۱۹۴۵ء

یوم یکشنبہ

باب ۱

سلطان بہلول لودھی

۸۵۵ھ تا ۸۹۴ھ ۔ ۳۹ سال

"بلو" (سلطان بہلول)، اسکی یتیمی اور اسکا بچپن

سلطان شاہ[۱] المخاطب بہ اسلام خان لودھی سلطان خضر خان[۲] ـ شاہ دہلی کے دربار کا ممتاز امیر۔ سرہند میں بادشاہ کی طرف سے حکمرانی کررہا تھا۔ اس کا یتیم بھتیجا۔ ملک کالا کا بیٹا۔ بلّو نامی جو بچپن ہی سے نہایت شوخ۔ ذکی اور تیز تھا۔ اپنے چچا کے

---

[۱] ۔ یہ رجب ۸۲۱ھ میں سرہند کا حاکم مقرر کیا گیا ۔ طبقات ۔ جلد اول صفحہ ۲۶۹

[۲] ۔ یہ خاندان سادات کا پہلا حکمران تھا۔ جو تیمور کی طرف سے بطور نائب دہلی میں حکمرانی کرتا تھا اور اپنی حکومت کو "سمرقند" کا جہاں تیمور اور اس کا خاندان رہتا تھا ماتحت سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ خطبہ میں بھی تیمور اور اس کے بعد اس کے جانشین شاہ رخ کا نام پڑھواتا تھا اور اخراج بھی بھیج دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے مبارک شاہ

زیر سایہ بڑے ہی ناز و نعم سے پرورش پا رہا تھا۔ اسلام خاں اپنے بیٹوں سے زیادہ اس کو چاہتا تھا اور اس کی "بے ادبی" کو بھی آئندہ کے عروج کا پیش خیمہ کہا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار بلو "کھیلتا کھیلتا" خان کی جائے نماز پر جوتا پہنے ہوئے چڑھ گیا۔ اب کیا تھا۔ اوّل تو جائے نماز۔ اور پھر "خان" کی جائے نماز۔ گھر والے اس نا سمجھ کے پیچھے پڑ گئے۔ کسی نے جھڑکا اور کسی نے ہاتھ پکڑ کر وہاں سے ہٹایا۔ کسی نے کہا ؎

ارے بچے! کھیلنے کی جگہ دوسری ہے۔
یہ "خان" کی جائے نماز ہے۔ اس پہ
بدتمیزی سے پاؤں مت رکھ۔"

نے حکومت کی باگ سنبھالی اور اس وقت سے گویا سمرقند سے تعلق بحیثیت ماتحتی کے منقطع ہوا۔ اس کے قتل کئے جانے کے بعد اس کا بھتیجا محمد شاہ بن شاہزادہ فرید اس کا جانشین ہوا۔ اسی کے عہد میں "بلو" کو عروج ہوا۔ محمد شاہ کے مرنے کے بعد سلطان علاؤالدین عالم شاہ تخت پر بیٹھا۔ سید خاندان کا یہ آخری سلطان تھا۔ جس نے حکومت کو عیاشی اور آرام طلبی پر قربان کر دیا۔ غرضیکہ سید خاندان کے یکے بعد دیگرے چار بادشاہوں نے ۸۱۸ھ سے ۸۵۵ھ تک (۱۴۱۴ء تا ۱۴۵۱ء) صرف ۳۷ سال دہلی پر حکومت کی (طبقات اکبری۔ جلد اول صفحات ۲۶۶۔۲۷۰۔۲۸۷۔۲۹۲۔۲۹۴)

صاحب طبقات اکبری کا بیان ہے کہ "تاریخ مبارک شاہی" میں جو اسی عہد میں لکھی گئی ہے محمد شاہ کو مبارک شاہ کا لڑکا بتایا گیا ہے لیکن صاحب "تاریخ بہادر شاہی" نے اس کو شاہزادہ فرید کا فرزند لکھا ہے جو خضر خاں کا دوسرا بیٹا تھا۔

۳؎ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳

اسلام خاں نے جو یہ یورش دیکھی تو اس نے اپنے بھتیجے کی طرفداری کی اور ان سب کو منع کرتے ہوئے کہا:[1]

"بچہ ہے۔ اگر یہ میرے سر پہ پاؤں رکھ
دے جب بھی کچھ ہرج نہیں ہے"

خان کی زبان سے یہ سن کر لوگوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب بچے کی شامت آجائے گی۔ بہرحال ان سب کی حیرت کو دیکھ کر خان نے کہا:[2]

تم کو میرے اس کہنے پر حیرت نہیں کرنی چاہیئے
میں اپنے اس بھتیجے میں بعض ایسی خوبیاں دیکھ رہا
ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن وہ بہت
بڑا آدمی ہوگا۔ اور ہمارا خاندان اس سے روشن ہوگا"

"بلّو" کے چچا کی یہ پیشین گوئی یا دعا آخر کار پوری ہو کر رہی اور "بلّو" بڑا ہو کر "بلّو خان" ہوا اور پھر ترقی کر کے ملک بہلول فتح خاں بنا۔ اس کے بعد سلطان بہلول لودھی شاہ دہلی ہو کر عادل۔ مدبر۔ رعایا پرور۔ دانشمند اور کنبہ پرور بادشاہ مشہور ہوا۔

بلّو خان اور تجارت

بلّو جب بلّو خان ہوا تو اس نے گھوڑوں کی تجارت شروع کی "ولایت" جاتا اور وہاں سے گھوڑے لاکر ہندوستان میں بیچتا تھا جس سے خوب نفع ہوتا تھا یہاں تک کہ تجارت کو اچھا فروغ ہوا۔ تجارت کے تجربوں۔ سفر کی تکلیفوں اور باہر کے اچھے بڑے لوگوں کی ملاقاتوں نے "بلّو خان" کی بہادری۔ تدبّر اور دانشمندی

---

[1] تاریخ داؤدی صفحہ ۳ [2] تاریخ داؤدی صفحہ ۳

میں چار چاند لگا دیئے۔ غرضیکہ ایک عرصے تک وہ اسی طرح بیوپار کرتا رہا۔ چند اور لوگ بھی اس کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے لگے۔ ایک بار وہ اپنے دو ساتھیوں کو جن کا نام قطب[6] خان اور فیروز خان[7] تھا لیکر "ولایت"[8] ہوتا ہوا "سامان"[9] پہنچا۔ اس دفعہ اس نے خصوصیت سے نہایت اچھے اچھے گھوڑے خریدے۔ اس عرصے میں اس کو معلوم ہوا کہ ایک مجذوب جن کا نام "سید انام" ہے صاحب کشف و کرامات بزرگ ہیں۔ یہ سنتے ہی اس کے دل میں حاضری کا ولولہ اٹھا اور اپنے ان دونوں ساتھیوں کو لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس موقع پر یہ سالار قافلہ تھا۔ کیونکہ تجارت کرتے کرتے اس قدر ہوشیار ہو گیا تھا کہ سارے دوسرے سوداگر اس کا لوہا مانتے تھے۔ غرضیکہ یہ تینوں "سید" کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ خاموش بیٹھ گئے۔ ان کو دیکھتے ہی "سید" نے فرمایا:۔[10]

۶۔ قطب خاں پسر حسین خاں افغان (طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۲۹۹) جو بعد میں سلطان بہلول کا ایک امیر ہوا۔ ۷۔ یہ سلطان بہلول کا ایک چچا تھا۔ (طبقات اکبری جلد اول۔ صفحہ ۲۹۵)۔ ۸۔ جس طرح اب انگلستان اور یورپ کو لوگ ولایت کہتے ہیں اسی طرح پچھلے زمانے میں افغانستان اور ماورائے افغانستان کو یہاں کے لوگ ولایت کہتے تھے۔ گویا۔ یہاں کے لوگوں نے حکمرانوں کی سرزمین کو ہمیشہ ولایت سمجھا اور کہا۔ صاحب طبقات اکبری نے (جلد اول۔ صفحہ ۲۹۵ میں) "سامانہ" لکھا ہے۔ لیکن اس میں یا تو مورخ کو تسامح ہوا ہے جس نے بجائے "سامان" کے "سامانہ" لکھ دیا ہے۔ یا کاتب کی مہربانی سے لفظ کے آخر میں (ہ) کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ۹۔ طبقات اکبری میں "سید ابن نام" درج ہے۔ جو غالباً کتابت کی غلطی ہے "سید ابن انام" صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۵ (تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳)۔

تم میں سے کوئی ایسا ہے جو دو ہزار "تنکہ"، (سکۂ
رائج الوقت)، میں دہلی کی بادشاہت خریدے
وقت کی بات ہے۔ قطب خان اور فیروز خاں تو مجذوب کی بڑ سمجھ
کر خاموش ہو رہے لیکن "بلو خاں" نے جتنی رقم جیب میں تھی۔ جس کی میزان
سولہ سو تنکے تھی[1]۔" سب "سید" کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ:۔[12]

"اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے"
سید نے یہ رقم قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ[13]
"دہلی کی بادشاہت مبارک ہو۔ تیرے یہ
دونوں ساتھی اس وقت تیرے نوکر ہوں
گے۔" (اسکے بعد یہ شعر پڑھا)

سالکان رہ ہمت چو ارادت بینند
ملک کاؤس و فریدوں بگدائے بدہند

(ترجمہ:۔ درویش لوگ جب عقیدت دیکھ لیتے ہیں تو فقیر
کو کاؤس اور فریدوں کا ملک دیکر بادشاہ کر دیتے ہیں۔)

سولہ سو تنکے میں دہلی کی بادشاہت

بلو خاں دہلی کی بادشاہت کا "سولہ سو تنکے میں" سودا کر کے اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دہلی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ راستے میں ان دونوں نے اس کے اس "حماقت آمیز" "بیوپار"، کا خوب مذاق اڑایا۔ اور اس کو برا بھلا بھی کہا۔ بلو خاں

---

[12] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۵
[13] " " "
[14] " " " و تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳

نے ان سے کہا:۔[14]

"دوستو! میں نے بہت اچھا کیا۔ اس رقم میں ساری عمر تو گذر ہی نہیں سکتی تھی۔ تھوڑے دنوں کا خرچ تھا۔ میں نے جو کام کیا ہے اس کی دو ہی شکلیں ہیں۔ اگر ان بزرگ کا کہا ہوا ہو جائیگا تو سودا مفت ہے۔ اور اگر نہیں ہوگا تو میں نے ایک سیّد درویش کی خدمت کر دی جس کا مجھے اجر ملے گا بہر حال دونوں صورتوں میں میں نے غلطی نہیں کی" کیونکہ:۔

نعمتِ من ہیچ دانی از کجاست

از در دلہا گدائی کردہ ام

(ترجمہ:۔ تو جانتا ہے کہ مجھے نعمت کہاں سے ملی۔ (فقیروں) کے دلوں سے میں نے بھیک مانگی۔)

غرضیکہ یہ دوہرا سودا کر کے بہلول خاں دہلی واپس ہوا اور گھوڑوں کو خوب موٹا تازہ کر کے اس نے اپنے چچا اسلام خاں کو ساتھ لیا اور سید سلطان خضر خاں کے پوتے سید محمد شاہ کے دربار میں۔ جو اس وقت تخت سلطنت پر تھا۔

---

[14] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۵ و تاریخ داؤدی، قلمی۔ صفحہ ۴ (صاحب طبقات اکبری نے اسی صفحہ پر "بعض تواریخ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ملک بہلول تاجر نہیں تھا بلکہ اس کا دادا تجارت کیا کرتا تھا اور ہندوستان آیا جایا کرتا تھا۔ لیکن صاحب طبقات اکبری کو اس روایت پر اعتبار معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس نے خود تفصیلاً سلطان بہلول کی تجارت کا ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں "بعض تواریخ" کہکر اس روایت کا حوالہ دیا ہے۔ [15] ۸۳۳ھ سے ۸۴۳ھ تک (یعنی صرف دس سال چند ماہ) سلطنت کی

طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۲

جاگیر میں کر دیئے۔ سلطان نے سارے گھوڑے خرید لئے اور ایک پرگنے کے پورے ایک سال کا محصول اس کے نام لکھ دیا اور اس کی دستاویز اس کو دلوا دی۔ یہ پرگنہ فی الحقیقت سرکشوں کا اڈا تھا۔ سلطان محمد شاہ کی کمزوری کی وجہ سے اکثر پرگنات کا یہی حال ہو گیا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ تحصیل وصول تو در کنار۔ اس علاقہ سے وہاں قدم بھی رکھ سکتا۔ پٹھانوں کے اس سوداگر گروہ نے دستاویز لے لی اور ان میں سے دو ایک وصولی کے لئے وہاں گئے اور مشکلات سے دوچار ہوئے تو الٹے پیروں واپس ہوئے۔ اور دوستوں کو ساری کتھا سنا دی۔ بلوخاں جس کو بہرحال دلی کی بادشاہت ملنی تھی اور جس کے لئے اسی قسم کے معرکے ترقی کے زینے تھے۔ اپنے بعض ساتھیوں کو لیکر اپنے چچا اسلام خاں کے پاس آیا۔ اور سارا واقعہ بیان کر کے اس شرط کے ساتھ اس سے اس پرگنے میں جانے کی اجازت چاہی کہ بوقت وصولی جو کچھ بن پڑے گا وہ کیا جائیگا اسلام خاں نے اپنے بھتیجے کے معروضے کو سلطان کی خدمت میں پہونچا دیا سلطان نے جواب میں فرمایا: [11]

"اگر تمہارا بھتیجا ان فسادیوں کی گوشمالی کر کے ان کو
فرماں بردار کرے گا تو میں وہ پرگنہ اس کو اور جتنا مال
اور جتنے قیدی ہاتھ لگیں گے وہ سب ان کے آدمیوں
کو بخش دوں گا۔"

چنانچہ یہ پرگنے میں پہونچا۔ اور تمام سرکشوں کو زیر کر لیا۔ دستاویز شاہی کا سارا روپیہ وصول کیا اور غنیمت میں مال مویشی اور قیدی لے کر دہلی واپس آگیا۔

---

[11] تاریخ داؤدی۔ قلمی صفحہ ۴۔

ملک بہلول کا خطاب

سلطان نے اس جرأت اور بہادری کا یہ مزید معاوضہ دیا کہ اس سے تجارت چھڑوائی اور اُسکو اپنا نوکر و امیر کر کے چند اور پرگنے اس کو بطور جاگیر مرحمت فرمائے۔ اور "ملک بہلول" کا خطاب دیکر نوازا۔ اب "بہلو خاں" "ملک بہلول" ہو گیا۔ سوداگر سے سپاہی بنا۔ اور ترقی کرنے لگا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہر سال نئے سپاہی بھرتی کرتا اور ان کی تعلیم و تربیت کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔

غرضیکہ ملک بہلول کی فوجی تنظیم دیکھ کر سلطان محمد شاہ بیحد خوش ہوتا اور ان نئے سپاہیوں کے خرچ کے لئے نئے پرگنے جاگیر میں دیتا رہا۔ چنانچہ مضافات لاہور کے اکثر پرگنے اسی کی جاگیر ہو گئے۔

ترقی کے اس درجہ پر اس سرعت سے پہنچکر ملک بہلول کو مجذوب کی "بڑ" کا خیال آنا ضروری تھا۔ اب اس کو ایک حد تک یقین ہو چلا تھا کہ ایک نہ ایک دن اس کو ہند کی بادشاہت ضرور ملے گی۔ کیونکہ اول تو اس کو اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کا احساس تھا۔ اور دوسرے سلطان محمد شاہ کی سستی کا یہ عالم تھا کہ [1]

"جو امرا دہلی سے بیس کوس کے فاصلے پر تھے وہ بھی قبضے سے باہر تھے اور انھوں نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا"

اسی عرصے میں اس کے چچا سلطان شاہ المخاطب بہ اسلام خان کا انتقال ہو گیا اور حسب وصیت وہ چچا کا جانشین ہو کر سرہند کا حاکم ہو گیا قطب خاں کو ـــــ جو اسلام خاں کا بڑا بیٹا تھا ـــــ یہ کیونکر گوارہ

---

[1] تاریخ داودی۔ قلمی۔ صفحہ

[2] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۲

ہوسکتا تھا کہ اس کی موجودگی میں ملک بہلول اس جاگیر کا وارث ہوجائے۔
جس کا جائز وارث قطب خان تھا۔
اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ملک بہلول سے مقابلہ کرکے اس وصیت کو کالعدم کردیتا جس کی بناپر گویا اس نے جاگیر پر قبضہ کیا تھا۔ لہٰذا وہ وہاں سے چل دیا اور سلطان محمد شاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر فریاد کی اور داد چاہی۔
سلطان نے حاجی شدنی المخاطب بہ حسام الدین خان کو جو وزیر نائب سلطنت تھا ایک لشکر جرار دیکر قطب خان کے ساتھ کردیا۔ ملک بہلول جو مدبر بھی تھا اور سپاہی بھی۔ اس سے غافل نہیں تھا۔ اس نے بھی مقابلے کی تیاری کرلی تھی چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ شاہی افواج حسام خان کی سرکردگی میں آرہی ہیں تو وہ بھی اپنی منظم سپاہ کو لیکر جواب کے لئے آگے بڑھا۔ دونوں فوجیں[19]:-

پرگنہ خضر آباد اور سادھورہ (پنجاب) کے موضع گڈھ کے پاس آمنے سامنے ہوئیں اور جنگ ہوئی حسام خاں شکست کھاکر دہلی[20] کی طرف چل دیا اور ملک بہلول کو فتح ہوئی۔

اور وہ کامیاب و کامران سرہند میں داخل ہوکر اپنے چچا کا پورا پورا جانشین ہوا اور زیادہ تر وہیں رہنے لگا۔

ملک بہلول "فتح خاں" کا خطاب | شاہی افواج کو اور وہ بھی جو نائب سلطنت کے زیر سرکردگی ہوں شکست

---

[19] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۲۹۵۔ [20] تاریخ داؤدی (صفحہ ۵) میں بجائے دہلی کے بدایوں لکھا ہے۔ غالباً دہلی ہی صحیح ہے کیونکہ اس وقت تک سلطان محمد شاہ کا مرکزی مقام یا پایہ تخت دہلی ہی تھا۔

دینا ایک منتدری جاگیردار کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس لیئے "کمزور بادشاہ" نے اس کی بہادری کو سراہتے ہوئے اس کو "فتح خاں" کا خطاب دیا جس نے سرہند کی جاگیرداری پر مہر لگا کر آئندہ کی امیدوں کا دروازہ کھول دیا۔

سلطان محمد شاہ کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض میواتی امیروں نے جو دہلی کے قرب و جوار میں تھے سلطان محمود خلجی شاہ مالوہ کو دہلی پر حملہ کی دعوت دیدی۔ اس کے دماغ میں دہلی کی بادشاہت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے ۸۴۴ھ میں دہلی پر چڑھائی کردی۔ سلطان محمد شاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ملک بہلول فتح خان ہی کو اس کے مقابلے کے لئے منتخب کیا۔ کیونکہ اس پر اس کی بہادری اور استقلال کا سکہ اسی وقت بیٹھ چکا تھا۔ جب اس نے شاہی فوجوں کو پسپا کیا تھا۔ بہرحال وہ اپنی کارآزمودہ افواج کو لیکر دہلی پہونچ گیا اور محمود شاہ کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔

سلطان محمد شاہ نے:۔[۲۱]

> "اپنی فوجوں کو آراستہ کرکے اپنے بیٹے کی سرداری میں دہلی سے باہر بھیجا، اور ملک بہلول کو مقدمۃ الجیش کرکے روانہ کیا۔"

ملک بہلول کی کامیابی اور اس کو "فرزندی" اور "خانخانی" کے خطابات

سلطان محمود نے دہلی کے باہر پہونچ جانے اور ان کے مقابلہ کے لئے اپنے دونوں بیٹوں سلطان غیاث الدین اور قدر خان کو آگے بڑھایا۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ رات کو دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر واپس ہوگئیں

[۲۱] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۱

صاحب تاریخ داؤدی نے اختصار سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے:۲۲ھ

"فتح خان نے وہ بہادری دکھائی کہ آخر فتح اسی کی ہوئی۔"

لیکن صاحب طبقات اکبری نے اس واقعے کو نسبتاً تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک روز کی لڑائی کے بعد دوسرے روز سلطان محمد شاہ نے صلح کا پیغام دیدیا۔ شاید سلطان محمود اس پیام صلح کو کمزوری پر محمول کرتے ہوئے نامنظور کر دیتا لیکن سلطان محمد شاہ کی خوش قسمتی سے سلطان محمود شاہ مالوہ کو یہ اطلاع ملی کہ میدان خالی پا کر سلطان احمد شاہ۲۳ھ گجراتی نے مالوہ کی راجدھانی مانڈو پر چڑھائی کردی ہے۔ مجبوراً سلطان محمود صلح پر راضی ہوگیا اور اپنے ملک کی طرف چل دیا۔ اس پیام صلح سے سلطان محمد شاہ کا رہا سہا وقار جاتا رہا اور لوگ پہلے سے زیادہ اس سے بددل ہوگئے بہرحال سلطان محمود کے کوچ کرتے ہی جو بربنائے صلح تھا:۲۴ھ

"ملک بہلول لودھی نے پیچھے سے حملہ کرکے اور اس کی فوج کو تتر بتر کرکے بہت سا سامان جنگ اور مال لوٹ لیا اور واپس آگیا۔"

اس نام نہاد فتح سے سلطان محمد شاہ بہت خوش ہوا اور اس نے:۲۵ھ

"انعام واکرام شاہانہ سے سرفراز کرکے (بہلول کو) "فرزندی" سے سربلند کیا۔"

صاحب تاریخ داؤدی نے اس موقع پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ:۲۶ھ

۲۲ھ: تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۲ ۲۳ھ اسی سلطان نے احمد آباد (گجرات) کو آباد کرکے اپنے نام سے اس کو منسوب کیا ۲۴ھ طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۲۹۱ ۲۵ھ طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۲۹۱ ۲۶ھ تاریخ داؤدی قلمی۔ صفحہ ۶

"سلطان محمد نے بہلول کو خطاب فرزندی اور خانخانان عطا فرما کر صوبہ سرہند کی طرف روانہ فرمادیا۔"

ملک بہلول اور لاہور و دیپالپور کی حکومت

اس جنگ اور فتح کے ایک سال بعد ۸۴۵ھ میں سلطان محمد شاہ نے بہ جانب "سامانہ" کوچ کیا۔ اور وہاں پہونچکر اس نے ملک بہلول کو لاہور اور دیپال پور کی حکومت دیکر "جسرت" نامی کھکھر یا کھوکھر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور خود دہلی چلا آیا۔ جسرت کھوکھر نے اس کی طاقت کو دیکھ کر نہ صرف :[۲۷]

"ملک بہلول سے صلح کر لی بلکہ اس کو سلطنت دہلی کی مبارک بادبھی دی"

اس مبارک باد نے پھر "بادشاہی" کی توقع کو تازہ کر دیا۔ لاہور اور دیپالپور کی حکومت کے اضافے سے اب طاقت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ صاحب طبقات اکبری کا بیان ہے کہ :[۲۸]

"اس نے نہ صرف دوسرے گرد و نواح کے پرگنوں پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ بادشاہ کے خلاف ہو کر ایک بار اس نے دہلی پر بھی چڑھائی کی لیکن عرصے تک محاصرے کے بعد وہ ناکام واپس ہو گیا۔"

سلطان محمد شاہ اس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہا۔ ۸۴۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا تخت سلطنت پر بیٹھا۔

---

[۲۷] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۲

[۲۸] " " "

عالم شاہ سلطان محمد شاہ کے انتقال کے بعد اس کا نالائق تر اور نااہل تر بیٹا علاؤالدین تخت نشین ہوا جس نے اپنا لقب "عالم شاہ" رکھا۔ سلطنت کے کاروبار کی حالت سلطان محمد شاہ ہی کے زمانے میں خراب ہو چکی تھی اور ایک حد تک سارا انتظام درہم برہم ہو چکا تھا لیکن سلطان علاؤالدین عالم شاہ نے تو اپنی عیش پرستی پر سلطنت کو قربان ہی کر دیا۔ اس کو سوائے عیاشی کے اور کسی بات سے واسطہ ہی نہیں تھا۔ نہ صرف وہ عیاش تھا بلکہ فی الحقیقت اُس کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ سلطنت کیا چیز ہے اور اس کے کاروبار کے کیا معنی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ حسام خاں جیسا کمزور وزیر اور علاؤالدین جیسا لاپروا بادشاہ، وزیرے چنیں شہریارے چناں جب نظام سلطنت اس حالت کو پہنچ گیا تو ملک بہلول خاں، فتح خاں نے سلطان علاؤالدین کی خدمت میں اظہار عقیدت و اخلاص کرتے ہوئے معروضہ بھیجا:۔ [29]

"کہ اگر سلطان حاجی رشدنی، المخاطب بہ حسام خاں مذکور کو قتل کر دیں اور منصب وزارت حمید خاں کو عطا فرما دیں تو بندہ فرمانبردار اور خدمتگار رہے گا۔"

اس معروضے کے پہنچتے ہی سلطان نے بے تامل:۔ [30]

"حسام خاں کو قتل کر دیا جس سے فی الجملہ سلطنت کی رونق تھی اور حمید خاں کو وزیر کر دیا۔"

طبقات اکبری کے بیان میں تناقص صاحب طبقات اکبری نے اس واقعے کے بیان میں جو تناقص پیدا

---

[29] تاریخ داؤدی قلمی صفحہ ۶ [30] تاریخ داؤدی صفحہ ۶

کر دیا ہے اس کا اظہار ضروری ہے۔ مصنّف مذکور سلطان علاؤالدین کے بیان میں یہ لکھتے ہوئے کہ: [۳۱]

"حسام خان وزیر ممالک اور نائب سلطان تھا۔"

واضح طور پر حسام خان کی وزارت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتا ہے:۔ [۳۲]

"اسی زمانے میں بعض فتنہ پردازوں کے کہنے سے (سلطان علاؤالدین) حمید خان کے — جو "وزیر ممالک" تھا قتل پر آمادہ ہو گیا۔ وہ (حمید خان) وہاں سے بھاگ کر دہلی آگیا اور حسام خاں سے مل کر دہلی پر قابض ہو گیا۔"

صاحب طبقات اکبری صرف اسی متناقص بیان پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ سلطان بہلول کے بیان میں لکھتا ہے کہ: [۳۳]

"ملک بہلول نے حاجی شدی سے ناراضگی اور بادشاہ سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے (بادشاہ) کی خدمت میں ایک معروضہ بھیجا اور اس میں عرض کیا کہ اگر سلطان محمد شاہ "حاجی" مذکور کو قتل کر کے حمید خان کو عہدہ وزارت عطا فرما دے تو بندہ فرمانبردار اور خدمتگار رہے گا۔"

---

[۳۱] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۳
[۳۲] " " "
[۳۳] " " " ۲۹۶

آگے چل کر اسی مصنف نے لکھا ہے کہ:[۲۴]

"سلطان محمد نے بے تامل حسام خان کو
قتل کر کے حمید خان کو وزیر کر دیا۔"

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ایسا مورخ اس قدر فاش غلطی کرے کہ پہلے تو وہ "حسام خاں" کو سلطان محمد شاہ کے ہاتھ سے قتل کرا دے اور اس کے بعد اس کے بیٹے علاؤالدین کے زمانے میں اس کو "زندہ" کر کے حمید خان کا معاون و مددگار بھی بنا دے۔ ایک ہی جگہ "حسام خان" کی وزارت کو بھی تسلیم کرے اور اسی کے ساتھ "حمید خان" کی وزارت بھی ظاہر کرے۔ گویا بیک وقت دو وزیر و نائب السلطنت ہوں۔ جو سراسر خلاف واقعہ ہے۔ مصنف تاریخ داؤدی نے اس قسم کی غلط بیانی نہیں کی بلکہ اس نے نہایت وضاحت سے لکھا ہے کہ سلطان علاؤالدین نے بے سوچے سمجھے "حسام خان" کو قتل کر دیا جس سے فی الجملہ سلطنت کی رونق تھی۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سلطان علاؤالدین کے زمانے تک نہ صرف زندہ تھا۔ بلکہ وزیر بھی تھا۔

فی الحقیقت معلوم یہ ہوتا ہے کہ نظام الدین احمد نے... ابوالفضل کی تقلید میں اکبر نامے کے غلط اندراجات سے استفادہ کر کے یہ اور اسی قسم کی غلطیاں کی ہیں۔ کیونکہ ابوالفضل کو "افغانی حکومت" کی پسندیدہ ادائیں بھی پسند نہیں تھیں بہرحال ملک بہلول نے "حسام خان" سے اس کا بدلہ بھی لے لیا جو اس نے قطب خاں کی حمایت میں ملک بہلول پر کیا تھا۔ اور اس بادشاہت کے حصول کے لئے بھی راستہ صاف کر لیا جس کو وہ "مجذوب" سے خرید چکا تھا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ "حسام خان" کی موجودگی میں یہ بیل منڈھے نہیں

---

[۲۴]: طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۲۹۶

چڑھ سکتی تھی۔ علاؤالدین عالم شاہ ناکارہ۔ لاپرو عیاش اور کاہل سہی۔ لیکن حسام خان پرانا اور تجربہ کار وزیر تھا۔ ایسی صورت میں اگر وہ "تخت" کا خیال کرتا اور عملاً قدم اٹھاتا تو خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ اس پر بھی یہ ضروری نہیں تھا کہ بادشاہت مل ہی جاتی۔ اس لئے اس نے راستے سے نہ صرف اس کانٹے کو ہٹایا بلکہ حمید خاں کو وزیر بنوا کر اپنی سلطنت کی بنیاد بھی ڈال دی غرضیکہ ملک بہلول نے ایک نشانے میں دو شکار کئے۔ دشمن کو ختم کیا اور اپنا "پٹھو" اس کی جگہ بٹھایا تاکہ وقت پر بے چون وچرا وہ کام آئے۔

حمید خاں وزیر کے قتل کا منصوبہ

ملک بہلول اپنے کارناموں کی وجہ سے تمام امراء وقت میں ممتاز تھا۔ حتیٰ کہ دشمن بھی اُسکی بہادری اور حسن تدبر کے قائل تھے۔ پھر بھلا سلطان علاؤالدین عالم شاہ کو یہ مشورہ کیوں نہ پسند آتا۔ اول تو وہ خود سلطنت کے مفہوم سے ناآشنا۔ دوسرے ملک بہلول جیسے ممتاز اور باا ثر امیر کا مشورہ تیسرے سلطان محمد شاہ مرحوم کے "فرزندی" میں آنے کی وجہ سے سلطان علاؤالدین کا گویا "بھائی" بہرحال ملک بہلول نے حسب وعدہ ایک کے قتل اور دوسرے کے وزیر بننے کے بعد اپنی اور تمام لودھیوں کی خدمات بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب چاروں طرف لودھیوں کا دور دورہ تھا جس پرگنہ پر جس لودھی نے چاہا قبضہ کر لیا۔ کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد سارے ملک میں پوری طوائف الملوکی ہو گئی۔ تقریباً ہر پرگنہ اور ہر شہر بجائے خود ایک بادشاہت کا مستقر ہو گیا۔ انتہا یہ تھی کہ دہلی سے ۱۱ میل کے فاصلے پر "مہر دلی" نام کا جو قصبہ ہے جسکو عموماً قطب صاحب کہتے ہیں۔ وہاں بھی ایک خود مختار "بادشاہ" ایک میواتی احمد خان نامی تھا سارا

پنجاب از لاہور تا پانی پت بالکلیہ لودھیوں کے قبضہ میں تھا سلطان علاؤالدین عالم شاہ کے پاس یا تو اس کی جاگیر تھی جو بدایوں کے نام سے موسوم ہے یا شہر دہلی اور اس کے چند نواحی مواضعات پر بادشاہت تھی۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں یہ مثل عام تھی:[۳۵]

"بادشاہی عالم" (یعنی عالم شاہ) از دہلی تا پالم"

ملک بہلول اسی حالت اور وقت کا منتظر تھا۔ اس کے بعد بقول مصنف تاریخ داودی:[۳۶]

"مقربین بادشاہ کی ایک جماعت نے بہلول کے اشارہ سے معروضہ کیا کہ اگر سلطان حمید الدین خاں کو قتل کر دے تو ہم چالیس پرگنے خالصہ (دیوانی) میں داخل کر دیں گے۔"

صاحب طبقات اکبری نے لکھا ہے کہ:[۳۷]

"سلطان علاؤالدین نے حکومت کو قوی کرنے کے لئے قطب خاں۔ عیسیٰ خاں اور رائے پرتاب سے مشورہ کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر جہاں پناہ حمید خاں کو معزول کر کے قید کر دیں تو ہم چند پرگنے امیروں سے نکال کر خالصہ (دیوانی) میں داخل کر دیں گے۔"

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش میں ملک بہلول کا

[۳۵]: تاریخ داودی۔ قلمی۔ صفحہ ۷

[۳۶]: " " " داودی کے مصنف نے ان مقربین کے نام نہیں لکھے۔

[۳۷]: صاحب طبقات اکبری نے جلد اول صفحہ ۲۹۷

ہاتھ ضرور تھا۔ اور مذکورہ بالا اُمراء کو اسی نے اس مشورہ پر آمادہ کیا تھا۔ البتہ ان دونوں بیانات میں اتنا فرق ہے کہ اول الذکر میں "حمید خان کے قتل" کا مشورہ ہے اور ثانی الذکر میں "عزل و قید" کا۔ لیکن صاحب طبقات اکبری چند سطور کے بعد اپنے سابقہ بیان کی یہ لکھ کر تردید کر دیتا ہے کہ[۳۸]

"(سلطان) دہلی سے روانہ ہو کر "یارہرہ" (مارہرہ) کے قریب برہان آباد پہونچا۔ قطب خان۔ عیسیٰ خان اور رائے پرتاب نے باریاب ہو کر عرض کیا کہ اگر حمید خاں کو قتل کر دیا جائے تو ہم چالیس پرگنے خالصہ (دیوانی) میں داخل کر دیں گے۔"

اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تاریخ داؤدی کا یہ بیان صحیح ہے کہ اُمراء نے اس قتل کا مشورہ دیا تھا۔ بالخصوص رائے پرتاب نے ضرور انتقاماً اس پر بادشاہ کو آمادہ کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ کیونکہ:[۳۹]

"اس سے قبل حمید خاں کے باپ فتح خاں نے رائے پرتاب کے قلعہ کو تباہ کر کے اس کی بیوی کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔ اس پرانی عداوت کی بنا پر سلطان کو اس نے حمید خان کے قتل کی ترغیب دی تھی۔"

حمید خاں کی بجانب دہلی فراری

بہرحال اس مشورہ کا حال حمید خاں کے بعض متوسلین کو معلوم ہو گیا انھوں

[۳۸] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۷

[۳۹] تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۷

نے اس کو آگاہ کر دیا اور وہ وہاں سے کسی نہ کسی طرح سے روپوش ہوگیا اور دہلی پہونچا۔ دہلی پہونچکر اس نے سوچا کہ بجائے سلطان علاؤالدین کے کسی اور کو تخت سلطنت پر بٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ اس کی نظر دو امیروں پر پڑی :۔ [۳۹]

"ایک قیام خاں تھا اور دوسرا بہلول۔ ان دونوں کو اس (حمید خان) نے لکھ کر بھیج دیا۔"

صاحب طبقات اکبری کا بیان ہے کہ :۔ [۴۰]

"سلطان محمود شرقی شاہ چونکہ سلطان علاؤالدین کا داماد تھا۔ اس لئے اس نے اس کو بلانا مناسب نہ سمجھا۔ سلطان محمود شاہ مانڈو (مالوہ) دور تھا۔ لودھی افغان نزدیک تھے۔ اس لئے اس نے ملک بہلول کو جو سرہند میں تھا۔ بلالیا۔"

بہرحال حمید خاں یا تو اس سے بے خبر تھا کہ اس کے ان تمام مصائب کا بانی مبانی ملک بہلول تھا یا فی الحقیقت رائے پرتاب کے انتقامی جذبہ کا یہ کرشمہ تھا اور ملک بہلول کا مطلق اس میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ جو قرین قیاس نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو حمید خاں کی دعوت پر دونوں امیر اپنی اپنی جگہ سے چل دیئے ملک بہلول ہوا کی طرح سے دہلی آپہونچا۔ قیام کو جب اس کے پہونچنے کا حال معلوم ہوا تو وہ راستہ ہی سے واپس اپنے مستقر پر چلا گیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ ملک بہلول کے سامنے اس کا دیا نہیں جل سکتا۔ حمید خان

[۳۹]:۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۷

[۴۰]:۔ طبقات اکبری۔ جلد اول، صفحہ ۲۹۸

[۴۱]:۔ تاریخ داودی۔ قلمی صفحہ ۷

نے ملک بہلول سے ملتے ہی "بادشاہت" کی یہ کہکر مبارکباد دی:[1]

"دہلی کی بادشاہت تم کو مبارک ہو۔ لیکن وزارت کی خدمت میں ہی انجام دوں گا۔"

ملک بہلول نے اس پیش کش کو سنتے ہی جواب دیا:[2]

"میں سپاہی آدمی ہوں۔ بھلا میں امور سلطنت کیا جانوں۔ آپ بادشاہ بنیں اور میں سپہ سالار اس کے علاوہ جو خدمت سپرد فرمائیں گے اس کو بخوبی انجام دوں گا۔"

اس ظاہری منکسرانہ جواب کی تہ کو حمید خان نہ پہنچ سکا۔ اس لئے اس نے کہا:[3]

"میں نے یہ کام اپنے لئے نہیں کیا ہے بلکہ اسلام کی بہبودی کے لئے یہ جرات کی ہے مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس بادشاہت میں اسلام کی حالت بدتر ہو جائے گی۔ مجھے یہ خوف ہو چلا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اور مصیبت نازل ہو جائے یہ مشہور ہے کہ اَلمُلکُ لِمَن غَلَبَ (ملک کا مستحق غالب ہوتا ہے) تم سے زیادہ میری نظروں میں کوئی غالب نہیں ہے اس لئے میں نے تم ہی کو منتخب کیا۔"

[1] تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۷

[2] " " "

[3] " " صفحہ ۸

اس اصرار و انکار کے بعد آخر کار باہمی عہد و پیمان ہوا اور ملک بہلول نے پیش کش منظور کی :۔ [۴۴]

"اور حمید خان نے قلعہ کی کنجیاں ملک
بہلول کے حوالے کیں ۔"

ملک بہلول نے کنجیوں پر قبضہ کر کے کہا کہ : [۴۵]

"جس وقت کے لئے تو حکم دیتا ہے مجھے
منظور ہے ۔ شہر اور دروازہ کی چوکیداری
مجھ پر فرض ہے ۔"

اب تک حمید خاں اس کا پٹھو تھا کیونکہ ملک بہلول کی "تدبیر" سے اس کو عہدہ وزارت ملا تھا۔ اب ملک بہلول اس کا پٹھو ہو گیا۔ کیونکہ حمید خاں کی "تدبیر" سے اس کو بادشاہت ملی۔ ملک بہلول کو اس کا پورا پورا اندازہ تھا کہ وہ اگرچہ بادشاہ بن چکا تھا لیکن بہر حال حمید خان کا بنایا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اس کو حمید خاں ہی کی مرضی پر چلنا پڑتا۔ جس کے صاف معنی یہ تھے کہ اس بادشاہت میں وہ آزادی بھی گئی جو اس کو امارت میں حاصل تھی۔ غرضیکہ کنجیاں ہاتھ میں لیتے ہی وہ در پردہ اس کانٹے کو بھی دور کرنے کے درپے ہو گیا۔ لیکن چونکہ سلطان بہلول بہت ہی دانشمند اور دور اندیش تھا اس لئے ہر کام تدبیر سے اور سوچ سمجھ کر کیا کرتا تھا۔ جلد بازی کو وہ پاس ہی نہیں آنے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں بہت کم ناکامیاب ہوا۔

[۴۴] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۹۸

[۴۵] تاریخ داودی۔ صفحہ ۸

ملک بہلول کی بادشاہت صاحب تاریخ داؤدی نے سلطان بہلول کی "بادشاہی" کی تاریخ ۸۵۰ھ لکھی ہے۔ لیکن طبقات اکبری اور منتخب التواریخ نے ۱۷ ماہ ربیع الاول ۸۵۵ھ لکھی ہے۔ بظاہر یہ دونوں تاریخیں صحیح ہیں۔ اس لئے کہ صاحب تاریخ داؤدی نے وہ تاریخ لکھی ہے جس روز اور جس سال حمید خان نے قلعہ کی کنجیاں اس کے سپرد کیں۔ یا جس سال سلطان علاؤالدین نے تخت سے دستبرداری کی اور موخرالذکر مورخین نے اس کی بادشاہی کی وہ تاریخ قرار دی جس روز اور جس سال سلطان علاؤالدین کا انتقال ہوا۔ چنانچہ مصنف طبقات اکبری نے سلطان علاؤالدین کی وفات کے متعلق لکھا ہے کہ[۴۶]

"تخت سلطنت پر بیٹھ کر اس نے سلطان بہلول کا خطاب اختیار کیا۔ جو امراء سلطان علاؤالدین اس کے (بہلول کے، ساتھ وہاں (دہلی میں) موجود تھے ان کی تنخواہیں اور وظیفے بحال رکھے۔ تھوڑے عرصے کے بعد سلطان علاؤالدین کا انتقال ہو گیا۔ اس کی سلطنت کا زمانہ سات سال اور کچھ مہینے رہا۔"

سلطان علاؤالدین ۸۴۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور سات سال چند ماہ حکومت کرنے کے بعد مرنے کے معنی یہ ہیں کہ ۸۵۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس اعتبار سے سلطان بہلول کی حکومت گویا ۸۵۵ھ سے شروع ہوئی۔ لیکن حمید خان نے اس سے کم و بیش چار برس پہلے اس کو دہلی کا قلعہ وغیرہ سپرد کر کے اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا تھا جو حقیقتاً ۸۵۰ھ میں ہوا۔

[۴۶] طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۳۲۹، ۳۳۰

ہوگا۔ اس کے علاوہ سلطان بہلول نے دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد سلطان علاؤ الدین کو ایک "معذرت نامہ" بھیجکر اس سے گویا "بادشاہت" کی باقاعدہ اجازت بھی حاصل کر لی تھی جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ "اجازت" دینے کے کچھ عرصہ بعد سلطان علاؤ الدین بہ قضا الٰہی بدایوں میں فوت ہوا۔ اس لیے "تاریخ داؤدی" کا بیان غلط نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال دہلی میں حکومت اور بادشاہت سلطان بہلول کر رہا تھا اور سلطان علاؤ الدین بدایوں میں عیاشی اور آرام طلبی میں مصروف تھا نہ اس کو "بادشاہت" کی خبر اور نہ اس کی پرواہ۔ سلطان بہلول، لودھیوں اور دوسرے افغانوں کا پہلے ہی سے مرجع بنا ہوا تھا "بادشاہ" ہوتے کے بعد اس کے مخالف بھی۔ مثلاً قطب خان پسر اسلام خاں وغیرہ۔ اس سے آکر مل گئے۔

سلطان بہلول کی دُور اندیشی

سلطان بہلول اس چیز کو جانتا تھا کہ "دو بادشاہ دریک اقلیم نہ گنجند۔" وہ حمید خان کا بنایا ہوا بادشاہ ضرور تھا۔ دہلی کا قلعہ۔ شاہی ابوابات اور خزانہ پر بھی اس کا قبضہ تھا۔ پھر بھی جب تک اس کا سلطان علاؤ الدین بادشاہ وقت سے ایک حد تک "دستبرداری" کی دستاویز نہ لکھوالی۔ اس وقت تک اس نے اپنے تئیں بادشاہ نہ سمجھا۔

مگر سلطان علاؤ الدین سے "دستبرداری" لینے سے قبل سب سے بڑا مسئلہ "بادشاہ گر" حمید خاں کی وزارت کا تھا۔ کیونکہ اس کے وزیر ہوتے ہوئے سلطان بہلول نہ تو سلطان علاؤ الدین سے "دستبرداری" لے سکتا تھا۔ نہ خود آزاد بادشاہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس نے پہلے حمید خان

کی وزارت کے خاتمہ کی تدبیر کی۔ جب وہ اس میں کامیاب ہوگیا دوسرا قدم اس نے دستاویز دستبرداری کا اٹھایا جیسا کہ آئندہ اوراق میں آئے گا۔

سلطان بہلول کچھ دنوں تک حمید خاں کا پٹھو بن کر نام کی بادشاہت کرتا اور ظاہرا حمید خاں کی اطاعت کا دم بھرتا رہا۔ چنانچہ وہ روز آنہ حمید خاں کے "سلام" کو بھی اس کے گھر جایا کرتا تھا تاکہ حمید خان بھی اس کی طرف سے مطمئن رہے۔

ایک روز حمید خاں نے سلطان بہلول کی دعوت کی اور اس کے ساتھ چند مخصوص افغانوں کو بھی بلایا۔ سلطان بہلول نے ان افغانوں سے کہا: [1]

"حمید خاں کے دربار میں تم لوگ ایسی احمقانہ حرکتیں کرنا کہ وہ تم کو واقعی بیوقوف اور جاہل سمجھے اس کے دل سے تمہاری ہیبت دور ہو اور وہ تم سے آئندہ کے لئے بے خوف ہو جائے۔"

ان سکھائے ہوئے افغانوں نے یہی کیا۔ جس وقت وہ کھانے پر بیٹھے تو انھوں نے عجیب و غریب حرکتیں کرنی شروع کر دیں۔ بعضوں نے اپنے جوتے اپنی کمر میں باندھ لئے اور بعضوں نے حمید خاں کے قریب طاق پر رکھ دیئے۔ حمید خاں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سبب پوچھنے پر سب نے یہی خطرہ ظاہر کیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ چوری ہو جائیں۔ حمید خان کو ان کے سیدھے پن پر بہت ہنسی آئی اور اس نے ان کو یقین دلایا کہ یہاں چوری ممکن

[1]: تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۸ (قریب قریب انھیں الفاظ میں صاحب طبقات اکبری نے بھی اپنی جلد اول صفحہ ۳۰۰ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

ہی نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ گویا مطمئن ہو گئے۔ یہ اس ڈرامہ کا ابتدائی حصہ تھا جو سلطان بہلول نے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد جب کھانے سے فراغت پا چکے تو افغانوں نے دریاں اور قالین دیکھ کر تعجب کیا اور درخواست کی کہ اگر ان کے ٹکڑے مل جائیں :؎۴۷

"تو ہم اس کی ٹوپیاں سلوا کر اپنے بچوں کو بطور تحفہ
بھیجیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حمید خان کے
دربار میں ہماری بڑی عزت ہے۔"

حمید خاں نے ان کی گذارش کو بھی سادہ لوحی پر محمول کیا اور ان کو بہترین کپڑے دینے کا وعدہ کیا۔ اس دوسرے مظاہرے کے بعد تیسرا مظاہرہ جو انھوں نے اپنی "حماقتوں" کا کیا وہ یہ تھا کہ کھانے کے بعد حسب دستور:؎۴۹

"پھول۔ عطر اور پان کے بیڑوں کے خوان لائے
گئے۔ بعضوں نے عطر چاٹ لیا اور پھول کھا لئے
اور بعضوں نے پان کے بیڑے کھول کر ان کا چونا
چاٹ لیا جب اس سے منہ کٹا تو انھوں نے پان
وہیں پھینک دیئے۔"

جب گویا اس سادہ لوحی کی انتہا ہو گئی تو حمید خاں نے مجبوراً سلطان بہلول سے ان کی ان "حماقتوں" کا سبب پوچھا۔ سلطان بہلول نے کہا :؎۵۰

؎۴۸ طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۳۰۰ و تاریخ داودی صفحہ ۹
؎۴۹ " " " "
؎۵۰ " " " "

"یہ لوگ گنوار اور بے عقل ہیں۔ لوگوں کے ساتھ کم رہتے ہیں۔ کھانے اور مرنے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔"

حمید خاں کی گرفتاری اور قید

سلطان بہلول کی توجیہہ سے حمید خاں مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد دربار برخاست ہوا۔ اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ دوسرے روز پھر سلطان بہلول حسب دستور حمید خاں کے گھر آیا۔ چونکہ یہ اصول مقرر تھا کہ جب سلطان بہلول حمید خاں کے دیوان خانہ میں جانے لگتا تو صرف چند افغانی اس کے ساتھ اندر جاتے تھے۔ باقی خادم و حشم کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے وہ لوگ باہر کھڑے رہتے تھے۔ اس دفعہ جب سلطان بہلول آیا تو اس کے کھڑکانے سے افغانوں نے دربان کو مارا اور زبردستی سب کے سب اندر داخل ہو گئے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے: [۵۱]

"ہم بھی حمید خاں کے نوکر ہیں اس کے سلام سے ہم کیوں محروم رہیں۔"

یہ شور و غوغا سن کر حمید خاں نے سبب پوچھا تو لوگوں نے کہا: [۵۲]

"افغانی لوگ ملک بہلول کو گالیاں دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی تو آخر بہلول کی طرح سے حمید خاں کے نوکر ہیں وہ اندر داخل ہو گیا ہم کیوں نہ داخل ہوں۔"

[۵۱] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۰ و تاریخ داودی۔ صفحہ ۹

[۵۲] " " " " "

حمید خاں نے یہ سنکر سب کو اندر آنے کی اجازت دیدی۔
غرضیکہ سارے افغانی اندر داخل ہو گئے اور حمید خاں کے ہر ایک نوکر یا خدمت گار پر جو وہاں کھڑا ہوا تھا دو افغانی مسلط ہو گئے جب یہ انتظام مکمل ہو چکا تو قطب خاں پسر اسلام خاں نے آگے بڑھ کر ایک زنجیر حمید خاں کے سامنے رکھی اور کہا:۔ [۵۳]

"مصلحت یہی ہے کہ آپ اب کچھ دنوں گوشہ نشین رہیں۔ چونکہ ہم نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ اس لئے جان لینی مناسب نہیں سمجھی۔"

یہ "نمک حلالی" کا منظر دیکھ کر حمید خاں نے قطب خاں سے اس غداری کا سبب پوچھا۔ قطب خاں نے اس کا نہایت معقول جواب دیا:[۵۴]

"ہم تمہاری جان نہیں لیں گے۔ لیکن چونکہ "نواب صاحب" نے خود "نمک حرامی" کی ہے۔ اس لئے تم پر اب ہم کو بھروسہ نہیں رہا۔"

یہ کہکر حمید خاں کو پا بہ زنجیر کیا اور قلعہ کے باہر ایک مکان میں قید کر دیا۔ اسی نظربندی یا قید میں وہ مر گیا۔

سلطان بہلول کا معروضہ سلطان علاؤالدین کی خدمت میں

سلطان بہلول نے جب دہلی کی دوعملی کو اپنی "حکمت عملی" سے ختم کر لیا تو ملک کی "دوعملی" کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے سلطان علاؤالدین کی خدمت میں بمقام بدایوں معروضہ بھیجا کہ [۵۵]

[۵۳]:۔ طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۔۔ ۳۰۔ [۵۴] تاریخ داودی صفحہ ۱۰

[۵۵]:۔ تاریخ داودی صفحہ ۱۰

"میں آپ کا پروردہ ہوں اور آپ ہی کی طرف
سے سلطنت کے کاروبار انجام دے
رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ سے نکل چکی تھی
اسی لئے میں نے اب تک آپ کا نام خطبہ
اور سکہ سے خارج نہیں کیا۔"

صاحب طبقات اکبری کا بیان ہے کہ خطبہ اور سکہ میں اپنا نام جاری کر کے اس نے سلطان بہلول کا لقب اختیار کیا اور پھر اس نے یہ معروضہ بھیجا:۔ ۵۶

"میں آپ کے باپ کا پروردہ ہوں فی الحقیقت
میں آپ کی طرف سے سلطنت کے ان کاموں
کو جو آپ کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے۔ انجام
دے رہا ہوں اور آپ کے نام کو خطبے سے
خارج نہیں کر رہا ہوں۔"

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معروضہ محض "منافقانہ" تھا۔ کیونکہ یہی مصنف آگے چل کر خطبہ میں اس کے نام کی موجودگی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ لیکن سلطان بہلول کو۔ جو نہ صرف طاقتور تھا بلکہ ایک حد تک وہ حکمران بھی ہو چکا تھا۔ اس قسم کے پوچ منافقت کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اس کو اس کے ذکر ہی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ یہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ سلطان علاؤالدین میں کسی قسم کی نہ تو صلاحیت تھی اور نہ طاقت جس سے خوفزدہ ہو کر وہ یہ منافقانہ رویہ اختیار کرتا۔ اس کے علاوہ "خطبہ اور سکہ سے نام خارج کر کے" اسکا یہ معروضہ کرنا کہ خطبہ و سکہ میں نام باقی رکھا گیا۔ اس لئے بھی عقل میں

۵۶: طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۱

نہیں آتا ہے کہ جو چیز اس قدر عام ہو چکی ہو اس سے انکار کے نہ کوئی معنی تھے اور نہ اس پر کوئی یقین کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ سلطان علاؤالدین بیحد لاپرواہ بادشاہ ضرور تھا اور اس کے گرد و پیش کا بھی یہی عالم تھا۔ لیکن اس صریحی "جھوٹ" کو وہ بھی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر صاحب طبقات اکبری کے اس بیان کو اس پر محمول کیا جائے کہ اس نے خطبہ و سکہ میں اپنا نام بھی رکھا تھا۔ اور سلطان علاؤالدین کا بھی۔ تو یہ اس سے بھی زیادہ مہمل بات ہو جاتی ہے۔ اس لئے صاحبِ تاریخ داؤدی نے جو لکھا ہے قرین عقل ہے اور قرین قیاس بھی غرضیکہ علاؤالدین نے یہ معروضہ سن کر جواب دیا۔ [۵۷]

"میرے باپ نے تجھ کو اپنا بیٹا بنایا تھا اور میں نے تجھ کو اپنا بڑا بھائی سمجھا۔ اسی لئے میں نے سلطنت کے کاروبار تجھ پر چھوڑ کر صرف پرگنہ بداؤں پر قناعت کر لی۔"

اعلان بادشاہت

سلطان علاؤالدین نے اس جواب سے ثابت کر دیا کہ وہ خود بھی سلطنت کے بوجھ سے عاجز ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی اس بوجھ کو اس سے لے لے۔ غرضیکہ اس "شاہی دستبرداری" کے بعد سلطان بہلول نے اپنی بادشاہت کا اعلان [۵۸]

"بہ تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ دہشت صد و پنجاہ، کر کے اپنا خطاب سلطان بہلول شاہ غازی رکھا۔"

۵۷ :۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۱ و تاریخ داؤدی قلمی صفحہ ۱۰

۵۸ :۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی صفحہ ۱۰

لیکن اس تاریخ کو صاحب طبقات اکبری اور ملا عبدالقادر بدایونی رح مصنف منتخب التواریخ تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس تاریخ سے سلطان بہلول کو بادشاہ تسلیم کرتے ہیں جس تاریخ کو سلطان علاؤالدین نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ملا بدایونی نے شاید اس لئے تسلیم کرنا پسند نہ کیا ہو کہ سلطان علاؤالدین "بدایونی" ہو چکا تھا۔ اس لئے "ہم وطنیت" کا تقاضہ یہی تھا کہ اس کی زندگی میں ـــــ باوجود تحریری دستبرداری کے ـــــ وہ دوسرے کی بادشاہت تسلیم نہ کرتے۔ غالباً نظام الدین احمدؒ نے بھی ملا ہی کی تقلید میں سلطان بہلول کی حکمرانی کے پانچ سال کم کر دیئے اور ۸۵۵ھ ہی اس کی تخت نشینی کی تاریخ مانی۔ لیکن ان مورخوں کے پاس اس دستاویز شاہی کا کیا جواب ہے جس میں صاف طور پر سلطان بہلول کی بادشاہت کو سلطان علاؤالدین نے ہی تسلیم کر لیا تھا۔ یا بالفاظ دیگر اس نے بھی بیعت کر لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دستبرداری اس نے بہ ثبات ہوش و حواس ہی لکھی۔ ایسی صورت میں بادشاہت کو نہ ماننا کچھ ہٹ دھرمی سی ہے۔

اوصاف و خصائل

سلطان بہلول دیندار، شجاعت شعار، سخی اور بردبار اور فطرتاً کریم النفس تھا۔ شریعت کا سختی سے پابند تھا۔ اور اس میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ خلاف شرع کام سے ہمیشہ بچتا تھا۔ ہمیشہ عالموں اور بزرگوں کی صحبت میں وقت گذارتا تھا محتاجوں کا بہت ہی خیال کرتا تھا۔ کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کرتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز باجماعت پڑھتا تھا۔ انصاف کی پوری پوری کوشش کرتا تھا۔ رعایا کی عرضیاں خود سنتا تھا۔ اس میں وزرا کا محتاج نہیں تھا۔ کارواں بے آزار مشفق اور رعایا پرور تھا۔ سپاہیوں کو بے دریغ دیتا تھا۔ اپنے لئے

کوئی چیز نہیں رکھتا تھا۔ اسی لئے وہ خزانہ بھرنے کا بالکل خیال نہیں کرتا تھا۔ سادہ اور بے تکلفی کی زندگی گذارتا تھا۔ اس کا دسترخوان نہایت وسیع تھا۔ اسی لئے کھاتے وقت وہ دربانوں کو ہٹا دیتا تھا تاکہ جو شخص کھانے پر آنا چاہے وہ بے روک ٹوک آسکے۔ دربار خاص ہو یا دربار عام۔ وہ کبھی تخت پر نہیں بیٹھتا تھا بلکہ قالین پر نشست رہتی تھی۔ امیروں کو دربار میں کھڑے رہنے کی ممانعت تھی۔ امیروں کو جب کبھی وہ "فرمان" لکھتا تو ہمیشہ "مسند عالی" کے لقب سے شروع کرتا تھا۔ سلطان بہلول کا ہی تصنیف کیا ہوا یہ اعزازی لقب بعد کے افغانی بادشاہوں کے زمانہ میں بعض ممتاز ترین امرا کا امتیازی شاہی خطاب بنا۔ حتی الامکان وہ کسی کو ناخوش نہیں کرتا تھا اگر:۔[۵۹]

"اتفاقاً کوئی امیر اس سے ناخوش ہو جاتا تھا تو وہ اس کی اس قدر دلداری کرتا تھا کہ اس کے پاس خود جا کر اور اپنی تلوار کھول کر اس کے سامنے رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر مجھ کو اس لائق نہیں سمجھتے ہو تو اس کام کے لئے کسی دوسرے کو منتخب کر لو اور مجھے کوئی دوسرا کام دے دو۔"

وہ بلا استثنا۔ امیر ہو یا سپاہی۔ سب کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر اس کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی امیر یا سپاہی بیمار ہے تو وہ اس کی عیادت کو جایا کرتا تھا۔ دہلی میں اس کی حکومت سے قبل یہ رسم تھی کہ جب کوئی مر جاتا تھا تو "بروز سوئم" آنے والوں کو شربت۔ پان۔ مصری اور شکر تقسیم کی جاتی تھی۔ سلطان بہلول نے فضول خرچی کی یہ رسم منسوخ

۵۹:۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۱۱

کرکے صرف "پھول" اور "گلاب" کی رسم کو جاری کیا (غالباً اسی وجہ سے دہلی میں "سوئم" کو "پھول" کہتے ہیں)، اس کم خرچ رسم کو جاری کرتے ہوئے اس نے اپنے عزیزوں سے کہا: [۱۵]

"ان رسموں کو ہم جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ اس لئے کہ اگر ایک غریب افغان مرجائے گا تو لاکھوں آدمی اس کی قوم کے آئیں گے۔ اس وقت وہ غریب گھر کیسے ان رسموں کو پورا کر سکے گا۔ اس لئے صرف خوشبو ہی پر قناعت کیا کرو۔"

وہ جنگ سے حتی الامکان پرہیز کیا کرتا تھا۔ اور اپنی طرف سے پہل نہیں کرتا تھا۔ اس لئے کہ قتل وخون اس کو پسند نہیں تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس کے طویل عہد حکومت میں لڑائیوں کی تعداد نسبتاً کم رہی۔ ان میں سے بھی دفاعی زیادہ ہیں۔ لیکن باوجود اس کے جب کبھی مدافعانہ جنگ اس کو لڑنی پڑتی تھی تو پھر وہ ایک خونخوار سپاہی ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو کسی معرکہ میں نیچا نہیں دیکھنا پڑا۔

وہ انتہائی بردبار تھا۔ غیظ وغضب کو اپنے پاس ہی نہیں آنے دیتا تھا۔ ہر معاملہ کو متانت اور بردباری سے سلجھایا کرتا تھا۔ ایک بار وہ جمعہ کی نماز کے لئے دہلی کی جامع مسجد میں گیا۔ (موجودہ جامع مسجد نہیں بلکہ پرانی جامع مسجد) اس کے خطیب اور امام ایک پرانے بزرگ "ملا قادن" نامی تھے۔ انھوں نے خطبہ دیا۔ اور اس کے بعد جب منبر سے اترنے لگے تو انھوں نے فرمایا: [۱۶]

[۱۵]۔ تاریخ داودی قلمی۔ صفحہ ۱۲

[۱۶] " " " لغوی حیثیت سے میں نے پشتو کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

"سبحان اللہ! (افغان)، قوم بھی عجیب قوم پیدا
ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کہ دجّال انھیں میں سے
ہوگا یا کیا۔ ان کی زبان یہ ہے کہ "ماں" کو "مور"
"بھائی" کو "رور"۔ "گاؤں" کو "شور" "سیاہ"
کو "تور" اور "دگر" کو "نور" کہتے ہیں۔"

جب خطیب یہ سب کچھ بہ انداز قافیہ کہہ چکا تو سلطان بہلول نے رومال منہ پر رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا:۔ [۶۲]

"ملا قادن! بس کر۔ آخر ہم بھی اللہ کے بندے ہیں"

حلم اور بردباری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ ایک خطیب برسر منبر بادشاہ کی موجودگی میں اس کو اور اس کی قوم کو دجال کہہ دے اور ان کی زبان پر لعن طعن کرے۔ لیکن بادشاہ بجائے غصہ کے۔ اور وہ بھی پٹھان بادشاہ تبسم کرے۔ بجائے سزا دینے کے بانداز نصیحت یہ کہے کہ "ہم بھی اللہ کے بندے ہیں" اور سزا یا تنبیہہ کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

پہلی جنگ سلطان علاؤالدین کے انتقال کے ایک سال بعد سلطان محمود شرقی شاہ جونپور نے جو سلطان علاوالدین کا داماد

(بقیہ صفحہ ۴۱ سے آگے) الفاظ کی صحت افغانی طلبا سے کرا کر ان الفاظ کی تصحیح کردی جو تاریخ داؤدی کے قلمی نسخہ میں غلط نقل کئے گئے تھے۔ مثلاً لکھا تھا کہ "برادر را رور و دگر را لور می گویند" یہ غلط ہے۔ اصل میں صحیح اس طرح سے ہے "برادر را" "رور (Ror)۔ وہ دگر (یعنی دوسرا یا مزید) را "لور" (Lor) می گویند۔ (مصنف)

[۶۲]:۔ طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۲۹۰۔

تھا۔ ۸۵۶ھ میں جو گویا سلطان بہلول کا پہلا سال جلوس تھا۔ دہلی پر تقریباً دو لاکھ فوج اور ڈیڑھ ہزار جنگی ہاتھیوں سے حملہ کر دیا۔ حملہ کی اوّل تو یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ سلطان علاء الدین کے بعض امیروں نے۔ جن کو سلطان بہلول کی بادشاہی پسند نہیں تھی سلطان محمود شرقی کو خفیہ دعوت دے دی تھی۔ دوسری وجہ جو صاحبِ تاریخ داؤدی نے لکھی ہے اور جو زیادہ قوی ہے وہ یہ ہے کہ [۶۳]

> "سلطان محمود شرقی کی بیگم نے جو سلطان علاؤالدین شاہ بدایونی کی بیٹی تھی۔ اپنے شوہر سے یہ کہا کہ دہلی میرے باپ کا ملک ہے۔ بہلول کون ہوتا ہے جو دہلی کا بادشاہ بنے اگر تو چڑھائی نہیں کرتا ہے تو میں خود ترکش لگا کر بہلول پر چڑھائی کرتی ہوں۔"

چونکہ سلطان بہلول کو اس تیاری کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی عادت کے موافق اس بات کی کوشش کی کہ لڑائی نہ ہو۔ اور بے حد عاجزی کرتے ہوئے اس نے سلطان محمود کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانا اور اس نے پوری تیاری سے ایسے وقت دہلی پر حملہ کیا جبکہ سلطان بہلول بہ سلسلہ انتظامات ملکی اپنی قدیم جاگیر "سرہند" اور "دیپالپور" کی طرف گیا ہوا تھا۔ دہلی میں صرف اس کا لڑکا خواجہ بایزید معہ چند امیروں کے تھا اور اس کی چچی بی بی مستو بیوہ اسلام خان معہ چند افراد خاندان قلعہ میں تھیں۔ بہرحال خالی میدان پا کر سلطان محمود شرقی نے شہر دہلی پر دھاوا بول دیا۔ سلطان بہلول کے گھر والوں کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا

۶۳۔ تاریخ داؤدی صفحہ ۱۳۔ اس موقع پر صاحب طبقات اکبری نے صرف یہ پہلی وجہ لکھی ہے دوسری وجہ نہیں لکھی۔ اگر دوسری وجہ قوی تر ہے۔

کہ وہ قلعہ میں سب کے سب بند ہو کر حتی الامکان اپنی حفاظت کرنے لگیں۔ کیونکہ اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کرنا ان چند مرد اور عورتوں کا کام نہیں تھا۔ قلعہ کے اندر سب میں بڑھی بوڑھی "بی بی مستو" تھی۔ جو گویا "قلعدار" تھی۔ سلطان محمود شرقی کی فوجوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ بی بی مستو نے قلعہ کی حفاظت کا انتظام اس طرح کیا کہ چند عورتوں کو اس نے مردانہ لباس پہنا کر قلعہ کے اوپر بھیج دیا اور وہاں ان کو پہرہ دار کر دیا۔ جو چند مرد قلعہ کے اندر تھے۔ ان کو یہ ہدایت کی کہ وہ وقتاً فوقتاً دشمن کی محاصرہ کرنے والی فوجوں پر تیر چلاتے رہیں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قلعہ فوجوں سے خالی ہے ان قلعہ بند مردوں میں خاں جہاں لودھی کا داماد شاہ سکندر شروانی بھی تھا۔ جو بہت اچھا تیر انداز تھا۔ اس نے اپنے تیروں کے پیکان پر سنہری حروف میں لکھوا رکھا تھا:۔ [۶۴]

"سکندر شاہ ہے"

"[۶۵] اس کے تیر کی لمبائی گیارہ مشت (کم و بیش ساڑھے پانچ فٹ) کی ہوتی تھی۔ اور آٹھ سو قدم تک اس کی مار تھی۔"

ایک روز شاہ سکندر نے قلعہ کے اوپر سے دیکھا کہ سلطان محمود کا سقہ پانی کی پکھال لئے ہوئے جا رہا تھا۔ شاہ سکندر نے فوراً نشانہ لگایا۔ تیر اس پکھال اور بیل کو چیرتا ہوا زمین پر آیا۔ سقہ بچ گیا۔ اس نے وہ تیر "زر کوفت" لے جا کر سلطان کی خدمت میں پیش کر کے ماجرا سنایا۔ اس نے حکم دیا کہ آئندہ سے قلعہ کے ارد گرد شاہی کیمپ کا کوئی آدمی نہ جایا کرے۔ غالباً اس کو

---

[۶۴]: تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۱۴۰

[۶۵] " " "

یقین ہو گیا ہو گا کہ اس قلعہ کے اندر فوجیں ضرور ہیں۔ جن کو اگر طویل زمانہ تک محصور رکھا گیا تو سامان خورد نوش کے ختم ہو جانے کے بعد خود ہی وہ سفید جھنڈا دکھا دیں گی۔

ادھر خاندان لودھی محصور تھا اور ادھر سلطان بہلول سرہند اور دیپال پور کے انتظامات میں مصروف تھا۔ اس حملہ اور محاصرہ کی اطلاع ملتے ہی اس نے مع لشکر فوراً وہاں سے کوچ کیا۔ لیکن وہاں سے دہلی پہونچنا ایک دو روز کا کام نہیں تھا۔ اس میں کچھ عرصہ لگنا ضروری تھا۔ بی بی مستو نے کافی عرصہ تک محاصرہ کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کب تک۔ مجبوراً جب سلطان بہلول کے آنے میں دیر ہوئی تو قلعہ والوں نے یہی مشورہ کیا کہ دشمن سے صلح کر کے قلعہ کو خالی کر دیا جائے اور قلعہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوتے ہی قلعہ والوں نے سید شمس الدین نامی کو قلعہ کی کنجیاں دے کر بطور سفیر باہر بھیجا۔

سید موصوف کنجیاں لے کر سلطان محمود کے امیر خاص دریا خاں لودھی کے پاس پہونچے جس کے متعلق لشکر کا پورا انتظام تھا۔ اور اس سے انھوں نے تنہائی میں بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ دریا خاں نے فوراً گرد و پیش کے لوگوں کو ہٹا دیا۔ اس وقت سید شمس الدین نے کہا۔ [لے]

"سید شمس الدین۔ سلطان محمود اور تم میں کیا رشتہ ہے؟

دریا خاں۔ رشتہ کچھ نہیں ہے۔ میں اسکا صرف نوکر ہوں۔

سید شمس الدین۔ سلطان بہلول اور تم میں کیا قرابت ہے۔

دریا خاں۔ ہم لوگ بھائی بھائی ہیں۔ وہ بھی لودھی ہے اور میں بھی

لے۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۱۴

لودھی ہوں۔
سید شمس الدین:۔ اس کی ماں بہنیں تمہاری کون ہیں؟
دریا خاں:۔ اس کی ماں میری ماں اور اس کی بہن میری بہن ہے۔[۷۷]
اس آخری جملہ کے بعد سید شمس الدین نے کنجیاں جیب سے
نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں اور اس سے کہا:۔[۷۷]

"اب تم کو اختیار ہے خواہ اپنی ماں بہنوں کو پردہ
میں رکھو یا بے پردہ کر دو۔"

دریا خاں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ مگر بہر حال اس نے
یہ جواب دیا کہ سلطان بہلول کے آجانے پر کچھ نہ کچھ ضرور کیا جاتا۔ اس حالت
میں جبکہ میدان خالی ہے۔ کوئی تدبیر بروئے کار نہیں لائی جا سکتی۔ اب
سید موصوف نے اپنے ترکش فہم سے تدبیر کا دوسرا تیر نکال کر چلایا اور کہا:۔[۷۸]

"سلطان بہلول تو پہونچ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ
میرے قلعہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ
قلعہ میں پہونچ جائے۔"

یہ سن کر دریا خاں نے کنجیاں واپس کر دیں اور سید کو اطمینان دلا
کر قلعہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور وہاں سے وہ سیدھا سلطان محمود کے
پاس آیا اور اس نے کہا:۔[۷۹]

"قلعہ کی، کنجیاں فدوی کے پاس لائی گئی تھیں لیکن

---

[۷۷]:۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۱۴

[۷۸]:۔ " " "

[۷۹]:۔ " " صفحہ ۱۵

میں نے انھیں لینے سے انکار کر دیا اس لئے کہ یہ
سنا جاتا ہے کہ بہلول خاں بے انتہا فوج لئے ہوئے
پہنچ گیا ہے اگر اس پر ہم نے فتح پالی تو تمام ملک
اپنا ہی ہے مجھ کو حکم ہو کہ میں اس کا استقبال
کروں اور اس کا نام و نشان دنیا سے مٹا دوں
بادشاہ یہیں قیام فرمائیں۔"

دریا خاں کا قومی تعصب آخرکار نمک خواری اور "نوکری" پر غالب آگیا۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنے اس آقا کو دھوکا دینے میں دریغ نہ کیا جس کو اس پر کامل بھروسہ تھا۔ بھروسہ کرنیوالے آقا نے اپنے "نوکر" دریا خاں کو حسب گذارش آگے بڑھ کر مقابلہ کی اجازت دے دی اور "فتح خاں ہروی" کی سپہ سالاری میں تیس ہزار سواروں اور تیس ہاتھیوں کا لشکر اس کے ساتھ کر دیا۔ ادھر سلطان بہلول دیپال پور سے دہلی سے "پندرہ کوس" کے فاصلہ پر بمقام "تریلہ" خیمہ زن ہوا اور وہاں اس نے مقابلہ کی تیاری شروع کی اس کی فوجی تعداد کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ اس کے پاس چودہ ہزار کی جمعیت تھی اور بعض کا قول ہے کہ سات ہزار تھی۔ بہرحال سلطان بہلول فوج کی کمی اور زیادتی سے بے پرواہ ہو کر اللہ کے بھروسہ پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

لودھیوں نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کے مرکز متعین کر دیئے تھے تاکہ کوئی جانب ان کی غیر محفوظ نہ رہے۔ دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی لودیوں نے ایسا جان توڑ مقابلہ کیا کہ دشمن حیران رہ گیا۔ فتح خاں ہروی سردار لشکر آگے آگے ایک جنگی ہاتھی پر تھا۔

قطب خاں لودھی پسر اسلام خاں نے ــــ جو تیر اندازی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس ہاتھی کو ایک ہی نشانہ میں ایسا بیکار کر دیا کہ وہ لڑائی کے قابل ہی نہ رہا۔ اس واقعہ سے محمودی فوج میں سخت گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ قطب خاں نے اس وقت دریا خاں کو آواز دیکر کہا۔ [۵۵]

"تیری مائیں اور بہنیں تو قلعہ میں بند ہیں۔ اس
حالت میں تیرے لئے یہ کیونکر زیبا ہے کہ تو غیروں
کی طرف سے لڑے اور عزت و آبرو کا پاس نہ کرے"

دریا خاں نے یہ سن کر اس شرط سے واپس چلے جانے کا وعدہ کیا کہ کوئی اس کا پیچھا نہ کرے۔ قطب خاں نے قسم کھا کر وعدہ دیا۔ چنانچہ دریا خاں وہاں سے چل دیا۔ اس کے جاتے ہی محمودی فوجوں کے پیر اکھڑ گئے۔ فتح خاں ہروی جس کا ہاتھی پہلے ہی بیکار ہو چکا تھا۔ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ چونکہ رائے کرن ــــ امیر سلطان بہلول ــــ کے بھائی رائے پتھورا کو فتح خاں نے قتل کیا تھا۔ لہذا رائے کرن [۵۶] نے اس کا سر کاٹ کر سلطان بہلول کے سامنے پیش کیا اس کے بعد فتح خاں ہروی وہیں "نریلہ" میں دفن کیا گیا۔ سلطان محمود کی فوجیں تتر بتر ہو کر دہلی واپس ہوئیں۔ قلعہ کے لوگوں نے اوپر سے محمودی فوجوں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر بی بی مستو کو اطلاع دی۔ بی بی مستو نے دریافت کیا کہ آیا ان کو شکست ہوئی یا فتح۔ اس پر جب لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو بی بی مستو نے کہا۔ [۵۷]

۵۵:۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۱

۵۶:۔ جسکو سلطان بہلول نے شمس آباد ختم ہونے کے بعد اس کا جاگیر دار کیا تھا۔

۵۷:۔ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۱۲

"یہ دیکھ کر بتاؤ کہ جو لوگ واپس ہو رہے ہیں
وہ اپنے بادشاہ کے دربار میں جا رہے ہیں
یا اپنے اپنے خیموں کی طرف۔"

انھوں نے بغور دیکھ کر بی بی مستو کو اطلاع دی کہ وہ اپنے اپنے خیموں میں پہنچ کر سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ بی بی مستو نے یہ سنکر کہا:[۳۷]

"فوراً خوشی کا نقارہ بجا دو۔"

جوں ہی نقارہ کی آواز سلطان محمود کے کانوں میں پہونچی تو اس نے گھبرا کر اس نقارہ کے بجنے کا سبب پوچھا۔ عرض کیا گیا کہ قلعہ کے اندر سے یہ خبر دیگئی ہے کہ شاہی فوجوں کو شکست ہو گئی ہے۔ ابھی اس خبر کی تصدیق کا سلطان نے حکم ہی دیا تھا کہ دریا خاں لودھی نے حاضر ہو کر فتح خاں کے قتل اور سلطانی لشکر کی شکست کی خبر سنائی۔ سلطان محمود سمجھ گیا کہ ضرور غداری کی گئی لیکن اس وقت اس کے لئے سوائے واپسی کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا چنانچہ اس نے دہلی سے بہ جانب جونپور فوراً کوچ کر دیا اور سلطان بہلول کامیاب و کامران دہلی میں داخل ہوا۔

دوسری جنگ اس پہلی جنگ کے بعد سلطان نے میوات اور علاقہ دوآبہ کا دورہ کیا۔ احمد خاں میواتی نے۔ جو سلطان علاؤالدین کے عہد میں تقریباً سارے میوات کا "بادشاہ" بن چکا تھا۔ آگے بڑھ کر سلطان کا استقبال اور اس کی فرماں برداری کا عہد کیا۔ سلطان نے اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو جو بغاوت کا سبب بن سکتی تھی۔ توڑنے کے لئے اس کے قبضے سے سات پرگنے نکال لئے اور باقی جاگیر اس کے نام

[۳۷]: تاریخ داودی صفحہ ۶

بحال رکھی۔ اس کے ساتھ ہی احمد خاں میواتی نے اپنی اطاعت کی ضمانت میں اپنے چچا مبارک خاں کو دربار سلطانی میں ہمیشہ کے لئے متعین کر دیا۔ وہاں سے "برن" ہوتا ہوا وہ سنبھل آیا۔

حاکم سنبھل دریا خاں لودھی نے بھی اطاعت قبول کرتے ہوئے سات پرگنے خالصہ شاہی (دیوانی) میں داخل کر دیئے۔ سنبھل سے فراغت پانے کے بعد وہ "کول" آیا اور عیسیٰ خاں حاکم "کول" کو اسی جگہ پر بحال رکھا۔ وہاں سے "برہانا آباد"، "سکیت" ہوتا ہوا "بھوگاؤں" پہونچا۔ رائے پرتاب کو حسب حال "بھوگانوں" کی جاگیر پر بحال رکھا۔ وہاں سے وہ "راپڑی" آیا۔ حاکم "راپڑی" قطب خاں پسر حسن خاں نے سرکشی کر کے اپنے تئیں قلعہ بند کر لیا۔ سلطان کی فوجوں نے معمولی کوشش سے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ خان جہاں لودھی نے قطب خاں کی جاں بخشی کرائی اور معافی دلوا کر اس کی جاگیر اس کو واپس دلوادی اس کے بعد پھر وہ اٹاوہ پہونچا۔ حاکم اٹاوہ نے بھی بے چون وچرا اطاعت کر لی اس دورہ میں گویا پورا میوات اور دوآبہ بہلولی تصرف میں آ گیا۔ یہی وہ علاقہ تھا جو مبارک شاہی عہد میں دہلی کی بادشاہت میں شامل تھا۔ سلطان محمود شرقی کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان بہلول انتظامات کرتا ہوا اٹاوہ تک پہنچ گیا تو اس نے پھر بمقام اٹاوہ سلطان بہلول پر چڑھائی کر دی۔ فریقین میں ایک روز معمولی چھڑپیں ہوئیں دوسرے روز قطب خاں حاکم "راپڑی" اور رائے پرتاب حاکم "بھوگانوں" نے درمیان میں پڑ کر دونوں بادشاہوں میں حسب ذیل شرائط پر صلح کرادی کہ:۔ ؎

"(۱) جو علاقہ مبارک شاہ بادشاہ دہلی کے قبضہ میں تھا وہ

؎ : طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۳

سلطان بہلول کے قبضہ میں رہے اور جو علاقہ ابراہیم شرقی بادشاہ جونپور کے قبضہ میں تھا۔ وہ سلطان محمود کے پاس رہے۔

۲:۔ پچھلی لڑائی میں فتح خاں ہروی کی شکست پر سلطان محمود کے جو سات ہاتھی سلطان بہلول کے ہاتھ لگے تھے اس کو سلطان بہلول واپس کر دے۔

۳:۔ "شمس آباد" پر جو سلطان محمود کے امیر "جونا خاں" کی جاگیر اور حکومت میں ہے۔ سلطان بہلول بعد برسات قبضہ کرے۔"

ان شرائط پر فریقین میں صلح ہو گئی اور دونوں اپنی اپنی بادشاہوں کو واپس چلے گئے۔

شمشاد باد کا قبضہ

سلطان بہلول نے حسب شرط ۳ جونا خاں حاکم "شمشاد باد" کو بعد برسات "فرمان" بھیجا کہ وہ "شمشاد" کا تخلیہ کر دے لیکن اس نے شرط مذکورہ کے خلاف تعمیل فرمان سے سرتابی کی۔ سلطان بہلول نے فوراً اس کے خلاف فوجی کاروائی کی نتیجہ یہ ہوا کہ جونا خاں مقابلہ کی تاب نہ لا کر وہاں سے بھاگ گیا۔ سلطان بہلول نے "شمشاد" پر قبضہ کر کے اپنے ایک ہندو امیر رائے کرن کو حاکم مقرر کر دیا۔ اس عہد شکنی کا بانی یقیناً سلطان محمود ہی تھا ورنہ جونا خاں کی یہ جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ شرط کے پورا کرنے میں تساہل یا سرتابی کرتا۔ اس وقت سلطان بہلول کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کہ وہ بزور شمشیر شرط مقررہ کی تکمیل کراتا۔ سلطان محمود نے یہ اطلاع

پاتے ہی "شمشاد باد" کی طرف کوچ کیا اور سلطان بہلول کے مقابلہ کے لئے "شمشاد آباد" کے قریب صف آرا ہوا۔ سلطان بہلول اس کے لئے تیار تھا۔ لیکن اس موقع پر اس نے لڑائی کا ڈھنگ بدل دیا۔ صف آرائی موقوف کر کے شبخون مارنے کا انتظام کیا۔ چنانچہ قطب خاں اور دریا خاں لودھی نے دشمن کی فوج پر رات کو چھاپہ مارا۔ اتفاقاً قطب خاں کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا۔ اس کے ساتھ ہی قطب خاں بھی گرا۔ جس کو دشمن کے سپاہیوں نے گرفتار کر کے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ اس نے "جنگی قیدی" کی حیثیت سے اس کو جونپور بھیجدیا۔ جہاں وہ تقریباً سات برس قید میں رہا۔

سلطان بہلول نے اس شبخون کے بعد دوسرے روز اپنے دونوں لڑکوں شہزادہ نظام اور شہزادہ جلال خاں اور ایک امیر عماد الملک کو "رائے کرن" کی مدد کے لئے مقرر کر دیا تاکہ وہ محمودی فوجوں کا مقابلہ کریں اور خود ایک جمعیت لے کر سلطان محمود سے برسرپیکار رہا۔ اتفاقاً اسی عرصہ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ پر اس کی ماں بی بی راجی نے اپنے دوسرے بیٹے شہزادہ بھیکن خاں کو سلطان محمد شاہ کا خطاب دے کر تخت نشیں کر دیا۔ سلطان محمد شاہ نے جنگ مناسب نہ سمجھی۔ اس لئے اس نے سلطان بہلول سے صلح کر کے یہ معاہدہ کیا:[۵]

"سلطان محمود کا ملک سلطان محمد شاہ
کے قبضہ میں رہے گا اور جس علاقہ پر سلطان
بہلول نے قبضہ کیا ہے۔ وہ اس کی
مالک رہے گا۔"

حاشیہ[۵] طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۳

یہ صلح کرکے دونوں بادشاہ اپنی اپنی راجدھانی کو روانہ ہوگئے۔

سلطان محمد شاہ بادشاہ جونپور کی سلطان بہلول سے پہلی جنگ اور سلطنت شرقیہ کے مقابلہ میں چوتھی جنگ

صلح کے ایسے معاہدے جو محض دفع الوقتی کے لئے ہوتے ہیں دیرپا نہیں ہوتے اس معاہدہ میں سب سے بڑی خامی یہی تھی کہ سلطان محمد شاہ نے باوجود صلح کے قطب خاں برادر عم زاد سلطان بہلول کو۔ جو اس کے بھائی کے زمانہ سے گویا جنگی قیدی تھا۔ رہا نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوں ہی سلطان بہلول دہلی کے قریب پہونچا:[۷۶]

"قطب خاں کی بہن شمس خاتون نے کہلا بھیجا کہ جب تک قطب خاں سلطان محمد شاہ کی قید میں ہے اس وقت تک سلطان (بہلول) کے لئے چین و آرام اور نیند حرام ہے۔"

یہ پیام سن کر بہلول خاں بہت متاثر ہوا اور "دنکور"[۷۷] سے الٹے پاؤں واپس ہوکر "راپڑی"[۷۸] پہنچا۔ دوسری طرف سے سلطان محمد شاہ بھی جونپور سے چل کر شمساباد پہنچ گیا اور اس نے رائے کرن حاکم سلطان بہلول سے شمساباد چھین کر اپنے امیر جونا خاں کے حوالہ کیا جو اس سے پہلے وہاں کا حاکم تھا۔ اس کے بعد وہ "راپڑی" کے قریب بمقام "سرستی" آکر صف آرا ہوا

۷۶:۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۴

۷۷:۔ دنکور ضلع بلند شہر میں ایک موضع ہے جو خورجہ اور غازی آباد کے درمیان ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔

۷۸:۔ راپڑی مشہور تاریخی جگہ ہے جو اب ایک گاؤں شکوہ آباد کے پاس ضلع مین پوری میں ہے۔

دونوں میں مدبھیڑ ہوئی اور کئی روز تک جنگ جاری رہی۔ آخر کار محمد شاہ پسپا ہو کر قنوج کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان بہلول کی فوجوں نے گنگا تک اس کا تعاقب کر کے بہت سامال واسباب لوٹ لیا اور شہزادہ جلال خاں پسر سلطان محمد شاہ کو گرفتار کر کے دہلی واپس ہو گیا۔ ہنوز میدان کارزار گرم ہی تھا کہ سلطان محمد شاہ کے بھائی شہزادہ حسین خاں نے، جو بعد میں سلطان حسین شرقی کے لقب سے مشہور ہوا۔ بادشاہ کو یہ باور کرا کر کہ "سلطان بہلول شبخون مارنا چاہتا ہے"، اس کی فوج سے تیس ہزار سوار اور تیس ہاتھی لئے اور وہ سلطان شاہ اور جلال خاں اجودھنی کو ساتھ لے کر "جھرنا" کے کنارے گویا دشمن کا راستہ روکنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سلطان بہلول نے اس کے مقابلہ کے لئے بھی کچھ فوجیں بھیج دیں۔ اسی عرصہ میں شاہزادہ حسین خاں نے شاہزادہ جلال خاں پسر سلطان محمد شاہ کو بھی بلوا لیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اس کے پاس پہنچے یہ لوگ اپنی جمعیت لے کر اس مقام سے چل دیئے اور قنوج روانہ ہو گئے۔ اور سلطان بہلول کی فوج نے آکر وہاں قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد شاہزادہ جلال اسی جگہ پر پہنچ گیا۔ لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ دشمن کی فوج ہے جو یہاں پڑاؤ ڈالے پڑی ہے۔ بلکہ اس نے یہی جانا کہ محمد شاہی فوج ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو گرفتار کر کے سلطان بہلول کے سامنے پیش کیا گیا جس نے قطب خاں کے بدلہ اس کو قید کر لیا۔ اور سلطان محمد شاہ کو اطلاع کر دی۔

سلطان حسین شرقی کی تخت نشینی کے بعد سلطان محمد شاہ کا قتل اور سلطان بہلول سے صلح

سلطان محمد شاہ نہایت تند مزاج اور سخت گیر تھا

---

۷۹ : ۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۵

اس لئے چند ہی سال میں لوگ اس سے عاجز آگئے۔ حتیٰ کہ اس کی ماں بی۔ بی راجی بھی اس سے ناراض تھی۔ اس کی بدمزاجی کا اب یہ عالم تھا کہ وہ ماں کو بھی بُرا بھلا کہہ دیا کرتا تھا۔ اس کے اُمرا اور اس کے بھائی وغیرہ سب اس سے بیزار تھے۔ اور ہر وقت اس کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے رہتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ اس کا بھائی شاہزادہ حسین خاں عین اس وقت جبکہ جنگ جاری تھی۔ "شبخون" کی روک تھام کے بہانہ سے معہ سلطان شہ اور جلال خاں اجودھنی میدان جنگ سے سیدھا قنوج چلدیا۔ غالباً وہ اپنی ماں "بی بی راجی" کے پاس گیا ہوگا جو شاہزادہ حسن خاں کا وہاں ماتم کر رہی تھی۔ کیونکہ "سرستی" کے میدان میں سلطان بہلول سے مقابلہ ہی کے وقت اس نے جونپور کے کوتوال کو حکم بھیجا:۔ ؎

"میرے بھائی حسن خاں اور قطب خاں پسر اسلام خاں کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن کوتوال نے معروضہ بھیج کر اطلاع دی کہ بی۔ بی راجی اس طرح دونوں کی حفاظت کر رہی ہیں کہ میرے لئے ان کا قتل ممکن نہیں ہے۔"

یہ اطلاع پاتے ہی اس نے فوراً اپنی والدہ بی بی راجی کو جونپور سے بلوا بھیجا۔ چنانچہ اس کے روانہ ہوتے ہی کوتوال نے شاہزادہ حسن کو قتل کر دیا قنوج پہنچنے پر جب بی بی راجی کو اس کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس کو بجید صدمہ ہوا اور وہ قنوج سے آگے نہ بڑھی بلکہ وہیں بیٹھ کر گویا سوگ منانے لگی

؎ :۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۴

جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہاں بیٹھ کر سلطان محمد شاہ جیسے سفاک کے خاتمہ کی تدبیر کرنے لگی۔ سلطان کو جب اس سوگ کا حال معلوم ہوا تو اس سنگدل نے ماں کو لکھ کر بھیجا:[۵۴]

"چونکہ تمام شہزادگان کا یہی حال ہوگا اس
لئے جناب والدہ ایک ساتھ ہی سب کا
سوگ منائیں۔"

غالباً اسی جواب نے بی بی راجی سے اس کے متعلق آخری فیصلہ کرا دیا ہوگا۔ کیونکہ گو شہزادہ حسن خاں مارا جا چکا تھا۔ لیکن بہر حال شہزادہ حسین خاں موجود تھا۔ جو جان بچا کر سلطان محمد شاہ کے چنگل سے نکل آیا تھا۔ شاہزادہ حسین خاں کے قنوج پہنچتے ہی بی بی راجی نے اعیان دولت کے مشورہ سے وہیں اس کو تخت نشین کر کے سلطان حسین شرقی کے لقب سے اس کو ملقب کر دیا۔ سلطان محمد شاہ نے یہ سنتے ہی قنوج کی طرف کوچ کیا۔ ادھر سے بھی پوری پوری تیاری ہو چکی تھی۔ صرف گنگا درمیان میں تھی ورنہ دونوں بھائیوں کی فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ محمد شاہ کے اُمرا نے جب یہ حال دیکھا تو ان کی ہمتیں بڑھیں اور وہ کھلم کھلا ساتھ چھوڑ کر سلطان حسین کی جماعت میں آ کر شامل ہو گئے۔ سلطان محمد شاہ نے یہ دیکھ کر آخر کار بھاگنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ چند سواروں کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے بھاگا اور وہیں قریب کے ایک باغ میں محصور ہو گیا۔ اس کو اپنی تیر اندازی پر بے حد بھروسہ تھا جس کو بی بی راجی بھی جانتی تھی۔ لیکن وہ زبردست با اثر اور با تدبیر ملکہ تھی۔ اس لئے اس نے پہلے ہی سے اس کی بھی تدبیر کر دی تھی۔ یعنی اس نے "سلاحدار

---

[۵۴] : طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۴

شاہی" کو خفیہ حکم دے دیا تھا۔ کہ وہ محمد شاہ کے تیروں سے پیکان علیحدہ کر دے جس کی تعمیل اس نے کر دی تھی۔ محمد شاہ نے اپنی مدافعت کے لئے اپنے ترکش سے جو پہلا تیر نکالا تو وہ بے پیکان تھا۔ دوسرا بھی ایسا ہی تھا یہاں تک کہ ہر تیر کو اس نے بغیر پیکان کے پایا۔ اسی وقت وہ سمجھ گیا کہ غداری اور سازش ہوئی ہے۔ اب سوائے تلوار کے مدافعت کا اور کوئی ہتھیار اس کے پاس نہیں تھا۔ لیکن چونکہ وقت آچکا تھا اس لئے تلوار نیام سے نکلنے بھی نہیں پائی تھی کہ:۔ ۸۲

"اچانک مبارک کنگ بنگاوی کا تیر سلطان
محمد شاہ کے لگا اور وہ گھوڑے سے گر کر
ختم ہو گیا۔"

سلطان محمد شاہ کے ختم ہوتے ہی سلطان حسین نے حالتِ جنگ کو ختم کر کے سلطان بہلول سے صلح کر لی۔ یہ صلحنامہ اس بنا پر نسبتاً اور بظاہر پائیدار تھا کہ نہ صرف فریقین نے اپنے اپنے علاقوں پر قانع رہ کر چار سال تک نہ لڑنے کا عہد کیا تھا۔ بلکہ دونوں طرف سے جنگی قیدی بھی رہا کر دیئے گئے تھے۔ سلطان حسین شرقی نے اسی جگہ:۔ ۸۳

"قطب خاں لودی کو جونپور سے بلا کر خلعت
اور گھوڑے سے سرفراز فرماتے ہوئے انتہائی
عزت و احترام سے سلطان بہلول کے پاس
بھیج دیا۔"

۸۲:۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۶

۸۳:۔ تاریخ داودی قلمی۔ صفحہ ۱۸ و طبقات اکبری جلد اول۔ صفحہ ۳۰۷

"دوسری طرف سے، سلطان بہلول نے بھی
شاہزادہ جلال خاں کو انعام واکرام سے خوش
کر کے عزت کے ساتھ سلطان حسین کے پاس
بھیجدیا۔"

سلطان حسین شرقی اور سلطان بہلول میں جنگ (پانچویں شرقی جنگ)

لیکن باوجود طرفین کی خوش معاملگی کے یہ مصالحت بھی پائیدار نہ ثابت ہوئی۔ اور "شمساباد" کے قبضہ نامرضیہ نے پھر فریقین میں نزاع پیدا کردی۔ اگرچہ معمولی جھڑپوں کے بعد وہ قبضہ ختم ہوگیا۔ لیکن سلطان حسین شرقی نے عین اس وقت پھر دہلی کی طرف کوچ کیا۔ جبکہ سلطان بہلول پنجاب اور ملتان کی مہم میں مصروف تھا۔ اور دہلی میں اس وقت قطب خاں اور خان جہاں اس کی نیابت کر رہے تھے۔ سلطان بہلول یہ خبر سنتے ہی کہ سلطان حسین دہلی پر چڑھائی کے ارادہ سے جونپور سے روانہ ہوگیا۔ اپنی مہم کو ادھورا چھوڑ کر راستہ ہی سے واپس ہو کر دہلی آیا اور وہاں سے "چندوار" آکر غنیم کی فوجوں سے مقابل ہوا۔ تقریباً ایک ہفتہ کی لڑائی کے بعد بعض اُمرا نے درمیان میں پڑ کر پھر دونوں میں مصالحت اس شرط کے ساتھ کرادی کہ:[۵۴]

"دونوں بادشاہ اپنے اپنے ملک پر قانع رہ کر
تین سال تک آپس میں جنگ نہ کریں۔"

---

[۵۴]: طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۷

سلطان حسین شرقی اور سلطان بہلول کی دوسری جنگ اور صلح (چھٹی شرقی جنگ)

یہ عہد نامہ اپنی میعاد مقررہ تک قائم رہا اور تین سال تک دونوں میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس تین سال کے دوران میں تین سال کے بعد کی لڑائی کی تیاری بڑی ہی شد و مد سے کی گئی۔ سلطان بہلول نے اس عرصہ میں ان جاگیرداروں کی گوشمالی بھی کی جو بوقت جنگ سلطان حسین شرقی سے جاکر مل گئے تھے۔ بہرحال تین سال کے بعد سلطان حسین شرقی نے پھر دہلی پر ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھیوں سے چڑھائی کر دی جس طرح سے کہ اس کے بھائی سلطان محمود شرقی نے کی تھی۔ لیکن فرق اس قدر رہا کہ اس وقت سلطان پنجاب کی طرف تھا اس لئے سلطان محمود شرقی دہلی تک پہونچ گیا تھا۔ اس دفعہ وہ دہلی ہی میں موجود تھا اور مقابلہ کی تیاری کر چکا تھا۔ اس لئے سلطان حسین شرقی کا استقبال اس نے دہلی سے جانب مشرق بمقام "کھٹوارہ" کیا لیکن عملاً قتل و خون ہونے سے پہلے ہی خان جہاں لودھی کی کوشش سے دونوں میں پھر صلح ہو گئی۔ سلطان بہلول دہلی واپس ہوا اور سلطان حسین شرقی اٹاوہ جاکر وہیں مقیم ہو گیا۔ وہاں اس کی والدہ بی بی راجی کا انتقال ہو گیا۔

صاحب طبقات اکبری کے بیان میں ایک اور تناقص؟

سلطان علاؤالدین بدایونی کی وفات کے متعلق صاحب طبقات اکبری نے (صفحہ ۲۹۴ پر) واضح طور پر لکھا ہے کہ سلطان علاؤالدین سات سال اور کچھ مہینے حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ اس اعتبار سے اس کا سال وفات ۸۵۵ھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے

باپ سلطان محمد شاہ کی بجائے ۸۴۷ھ میں تخت پر بیٹھا تھا۔ باوجود اس اپنے سابقہ بیان کے صاحب طبقات اکبری سلطان حسین شرقی کے عہد میں، جبکہ اس کی ماں بی بی راجی کا انتقال اٹاوہ میں ہو چکا تھا" سلطان علاؤالدین کے انتقال کو ۸۸۳ھ میں بتاتا ہے، جو صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس حساب سے اس کی حکومت کم و بیش ۳۶ سال کی ہو جاتی ہے۔ جو صاحب طبقات اکبری کے اپنے بیان (صفحہ ۲۹۴) کے خلاف ہونے کے علاوہ خلاف واقعہ بھی ہے اب رہا اس کا اٹاوہ سے اپنی ماں کے مرنے کے بعد بہ تقریب" تعزیت "بدایوں جانا اور اپنے سالے سے بدایوں چھین لینا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہو سکتا کہ وہ سلطان علاؤالدین کے انتقال کی خبر پاتے ہی بدایوں پہنچ گیا تھا۔ اور نہ یہ ضروری تھا۔ ممکن ہے کہ سلطان بہلول کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر کئی سال کے بعد اس کو خیال آیا ہو کہ " بدایوں" پر جو اس وقت تک اس کے سالے کے پاس بطور جاگیر تھا اور جس کو سلطان بہلول نے اسی طرح سے رہنے دیا تھا۔ قبضہ کر کے گویا سسرالی ملک پر اپنا حق قائم کرے۔ چنانچہ "بدایوں" پر جابرانہ یا غاصبانہ قبضہ کر کے وہ وہاں سے سید حا سنبھل گیا اور وہاں کے ۷۶ھ

" حاکم (جاگیردار) مبارک خاں پسر تاتار خاں
کو قید کر کے اس نے " سارن " روانہ کیا اور
خود ایک زبردست لشکر اور ایک ہزار ہاتھی
لیکر ماہ ذالحجہ ۸۸۳ھ میں دہلی کی طرف آیا۔"

سلطان حسین شرقی سے

۸۸۳ھ میں سلطان حسین شرقی کا دہلی پر حملہ اور سلطان بہلول کی اس سے تیسری جنگ (ساتویں شرقی جنگ)

۷۶ھ: طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۳۰۹

دہلی پر یہ دوبارہ پوری تیاری سے حملہ کیا جو فی الحقیقت نہ صرف اس کا آخری حملہ تھا جو سسرالی سلطنت کے حصول کی خاطر تھا۔ بلکہ یہ حملہ اس کی اپنی بادشاہت کے خاتمہ کا پیش خیمہ تھا۔ اس وقت بھی سلطان بہلول سرہند کی طرف تھا۔ لیکن اس کا انتظام مکمل تھا۔ سلطنت ایک حد تک منظم تھی اور جگہ جگہ اس کے مہرے موجود تھے۔ اس نے اس حملہ کی خبر پاتے ہی :[۵۷]

"حسین خاں پسر جان جہاں کو میرٹھ سے روانگی
کا حکم دیا اور خود سرہند سے بجانب دہلی
روانہ ہوا۔"

سلطان حسین شرقی نے دریائے جمنا کے کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ چونکہ لشکر بہت بڑا تھا اس لئے سلطان بہلول پر اس کی عظمت کا غیر معمولی اثر ہوا۔ جانبین میں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ کبھی ایک غالب تو کبھی دوسرا۔ فیصلہ کن جنگ کا فریقین انتظار کر رہے تھے۔ سلطان بہلول اس کثیر جمعیت کو دیکھ کر ایک روز شب کو حضرت سیدنا قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزار شریف پر حاضر ہو کر رات بھر برہنہ سر کھڑا رہا اور اللہ سے دعا مانگتا رہا۔ صبح ہوتے ہی ایک شخص اس کے پاس آیا جس کو وہ پہچان نہ سکا اور اس نے سلطان بہلول کے ہاتھ میں ایک لکڑی دے کر کہا :[۵۸]

"جا! اور ان چند بھیڑوں کو جو یہاں آئی
ہیں یہاں سے ہانک دے۔"

سلطان بہلول یہ غیبی خوشخبری سن کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا وہاں سے

---

۵۷ :۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۹

۵۸ :۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۱۹۔

اپنے "اردوئے معلے" میں آیا اور "ان بھیڑوں کے ہانکنے" کی فکر کرنے لگا۔ ابھی لڑائی شروع ہی ہوئی تھی۔ کہ قطب خاں پسر اسلام خاں نے۔ جو عرصہ تک جونپور میں جنگی قیدی رہا تھا۔ خفیہ طور پر ایک شخص کو سلطان حسین شاہ کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا کہ:۔ [۵۹]

"میں بی بی راجی کا احسان مند ہوں۔ جب میں خود جون پور میں قید تھا۔ اس وقت اس پاکدامن نے مجھ پر قسم قسم کے احسانات کئے تھے۔ آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ سلطان بہلول سے صلح کر کے واپس تشریف لے جائیں۔ گنگا سے اس طرف کا ملک آپ سے متعلق رہے اور جو ملک گنگا کے اس طرف ہے وہ سلطان بہلول کے لئے آپ چھوڑ دیں۔"

اس شرط پر صلح ہو گئی۔ اس صلحنامہ کا مقصد و مفہوم بھی وہی تھا جو اس سے پہلے صلحنامہ کا تھا۔ گو اس میں وہ وضاحت نہیں تھی جو اس سے پہلے کے صلحنامہ میں تھی۔ لیکن منشا یہی تھا کہ سلطان علاؤ الدین یا اس کے دادا سلطان مبارک شاہ کی سلطنت پر جو گنگا کے اس پار تھی۔ سلطان بہلول حکمران رہے اور سلطان حسین شرقی اپنے موروثی ملک پر جو گنگا کے اس پار تھا۔ حکمران رہے۔ سلطان حسین شرقی نے پھر اس صلح کو مان لیا اور دہلی سے واپس ہو گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ باوجود صلح کے سلطان بہلول کے آدمیوں نے سخت بد عہدی کرتے ہوئے سلطان حسین شرقی کی واپس ہوتی

[۵۹]: تاریخ داودی۔ صفحہ ۱۹۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۰۹

ہوئی فوجوں پر اچانک چھاپہ مارا اور نہ صرف انھوں نے تمام خزانہ وسامان لوٹ لیا جو گھوڑوں اور ہاتھیوں پر لدا ہوا جا رہا تھا۔ بلکہ اس کے چالیس اُمرا کو بھی "قید" کر لیا۔ جن میں اس کے وزیر قتلغخاں بھی تھے جو اپنے وقت کے اعلم العلما تھے۔ اس اچانک حملہ سے جو ابتری سلطان حسین کی فوجوں میں پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ: ن۹۰

"سلطان بہلول نے پیچھا کرتے ہوئے سلطان حسین کے بعض پرگنوں۔ مثل۔ پٹیالی۔ شمساباد سکیت۔ کول۔ مارہرہ اور جلالی۔ پر بھی قبضہ کر کے ہر پرگنہ میں اپنے "سقہ دار" (کلکٹر) یا حاکم مقرر کر دئے۔"

جب حالت اس نوبت پر پہنچ گئی تو مجبوراً سلطان حسین نے پھر مقابلہ کا ارادہ کر کے بمقام "راپڑی" صف آرائی کر کے لڑائی لڑی۔ لیکن چونکہ یہ مجبوری کی لڑائی تھی لہذا پھر صلح کی ٹھہری۔ اور حسب سابق اسی ایک شرط پر صلح ہوئی کہ ہر فریق اپنے اپنے ملک پر قانع رہے اور دوسرے کے ملک پر دست درازی نہ کرے۔ صلح ہوتے ہی لڑائی ختم ہوئی اور بہلولی وحسینی دونوں فوجیں میدان کارزار سے ہٹ کر اپنی اپنی حدود پر علی الترتیب "دھوپامئو" اور "راپڑی" میں آکر ٹھہر گئیں۔

سلطان حسین شرقی کی سلطان بہلول سے آخری (چوتھی) لڑائی اور سلطنت شرقیہ کا خاتمہ۔ (آٹھویں شرقی جنگ)	چونکہ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے

ن۹۰: طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۱۰

قریب ہی تھیں۔ اس لئے سلطان حسین نے تیاری کر کے پھر سلطان بہلول پر بمقام "سونہار" حملہ کر دیا۔ لیکن اس میں بھی اس کو شدید نقصان کے ساتھ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس مختصر جنگ میں بہت سامال و اسباب لودھیوں کے ہاتھ آیا۔ اسی زمانہ میں سلطان بہلول کے نائب اور امیر خان جہاں کا دہلی میں انتقال ہو گیا۔ سلطان بہلول نے اسی وقت اس کے بیٹے احمد خان کو خان جہاں کا خطاب دے کر دہلی کا نائب سلطنت کر دیا۔ اس دن سے وہ خانجہاں خاں بن خانجہاں کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس ضروری انتظام کے بعد اب اس نے سلطان حسین پر بمقام "راپڑی" جہاں وہ مقیم تھا حملہ کیا۔ سلطان حسین کی فوجوں کے پیر اکھڑ گئے اور سلطان حسین معہ اپنی جمعیت کے جانب گوالیار بھاگ گیا۔ اس بھاگنے میں دریائے جمنا کو عبور کرتے وقت اس کے بہت سے اعزا و سپاہی ندی میں ڈوب گئے۔ سلطان حسین کو راجہ گوالیار راجہ کیرت سنگھ نے نقد و جنس اور ہاتھی گھوڑوں سے مدد دیکر کالپی کی طرف روانہ کر دیا۔ اس عرصے میں سلطان بہلول نے "راپڑی" کے علاقہ کو بالکلیہ اپنے قبضہ میں کر کے "اٹاوہ"، کو بھی سلطان حسین کے بھائی ابراہیم خاں سے بزور حاصل کر لیا۔ اور اس کے بعد پھر وہ سلطان حسین کے تعاقب میں کالپی کی طرف چلا۔ سلطان حسین کو چونکہ راجہ گوالیار کی طرف سے مدد پہنچ چکی تھی۔ اس لئے اس نے پھر مقابلہ کا ارادہ کر کے "کالپی"، سے باہر لڑنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ بمقام "رانوکا" دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ لیکن درمیان میں جمنا ندی تھی۔ اس لئے جنگ کئی مہینے تک جاری رہی۔ آخر کار :۔ ف[۹۱]

ف ۹۱ :۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۱۱۔ و تاریخ داودی۔ قلمی۔ صفحہ ۱۹۔

"علاقہ بکسر کے حاکم رائے ترلوک چند نے سلطان
کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو پایاب جگہ
سے ندی کے پار کر دیا۔"

بہلولی فوجوں کے ندی کے پار ہوتے ہی سلطان حسین کی فوجوں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ وہاں سے بھاگ کر راجہ "بھیٹہ" کے علاقہ میں پہنچا۔ اس نے بھی راجہ گوالیار کی طرح اس کی نقد و جنس اور ہاتھی گھوڑوں سے مدد کر کے اس کو جونپور کی طرف روانہ کر دیا۔ سلطان بہلول اس کے پیچھے پیچھے جونپور پہونچا۔ سلطان حسین جونپور خالی کر کے بہرائچ ہوتا ہوا قنوج کی طرف روانہ ہوا سلطان بہلول نے اس کا وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر قنوج کے قریب ایک اور مقابلہ ہوا اور سلطان حسین شدید نقصان اٹھا کر پسپا ہوا۔ اس جنگ میں ان قیدیوں کے علاوہ جو لودھیوں کے ہاتھ آئے: ۔ ۹۲

"(سلطان حسین کی) ملکہ دختر سلطان علاؤالدین
(بدایونی) "خونزا" نامی بھی گرفتار ہوئی۔ سلطان
بہلول نے اس کی نہایت عزت و احترام کیساتھ
حفاظت کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب سلطان
بہلول نے پھر جونپور پر چڑھائی کی وہ (خونزا)
کسی حیلہ سے رہائی حاصل کر کے اپنے شوہر
کے پاس پہنچ گئی۔"

بہر حال سلطان حسین شرقی جب جونپور کی طرف سے مایوس ہو گیا تو وہ بہار کی طرف چلا گیا۔ سلطان نے اپنے تیسرے بیٹے مبارک خاں کو

۹۲: ۔ طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۳۱۲۔ و تاریخ داودی صفحہ ۲۰

باربک شاہ کا خطاب دیکر جونپور کے تخت پر بٹھایا اور ضروری انتظامات کر کے وہ "کالپی" چلا گیا۔ وہاں کی حکومت اپنے پوتے اعظم ہمایوں پسر خواجہ یا مرید کے سپرد کی اور وہاں سے "چندوارہ" ہوتا ہوا دھولپور پہنچا۔ راجہ دھولپور نے اطاعت قبول کر کے "چند من سونا" پیش کیا۔ وہاں سے "اتھیپور" ہوتا ہوا وہ دہلی آیا اور وہاں سے وہ "حصار فیروزہ" چلا گیا وہاں چند روز مقیم رہ کر پھر دہلی آیا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ گوالیار نے بھی اطاعت قبول کرتے ہوئے:[۹۳]

"اسّی لاکھ تنگہ بطور نذر پیش کئے (اس کے صلہ میں) سلطان نے گوالیار کی حکومت اسی کے قبضہ میں بحال رکھی۔"

سلطان بہلول کی علالت اور ۸۹۴ھ میں نواح سکیت ضلع اٹاوہ میں اس کی وفات اور اس کی وصیتیں

وہاں سے براہ اٹاوہ دہلی واپس ہو رہا تھا کہ راستہ میں سلطان بہلول ایک حد تک مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ جب وہ "سکیت" کے نواح میں بمقام "تلاولی" پہنچا تو اس وقت اس کو اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے ایک مقرب خاص کو بلا کر حسب[۹۴] ذیل دو وصیتیں کیں اور یہ تاکید کی کہ ان دونوں کو وہ نظام خاں تک

۹۳: تاریخ داؤدی (صفحہ ۲۰) میں نواح "جلالی" (ضلع علی گڑھ) لکھا ہے اور طبقات نے ایک جگہ "تلاولی" لکھا ہے۔ لیکن صفحہ ۱۴۳ پر سلطان سکندر کے بیان میں یہ لکھا ہے "قصبہ جلالی میں اس (سکندر) نے اپنے کو سلطان بہلول کی میت پر پہنچایا۔"

۹۴: تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۲۰

پہنچا دے جو بعد میں سلطان سکندر کے لقب سے مشہور ہوا۔ سلطان بہلول نے ابتدا ہی سے اس کو ولی عہد نامزد کر رکھا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ سب بیٹوں کے مقابلہ میں حکومت کی صلاحیت نظام خاں ہی میں ہے:۔

۱۔ "سور قوم کے کسی فرد کو "امیر" یا "خان" نہ کرنا کیونکہ ان کے دماغوں میں بادشاہی کا سودا سمایا ہوا ہے۔

۲۔ نیازی قوم کے کسی شخص کو کبھی نوکر نہ رکھنا۔ کیونکہ وہ لوگ بے مروت بھی ہوتے ہیں اور نمک حرام بھی۔"

بہر حال یہ دو وصیتیں کر کے اس نے ۸۹۴ھ میں بقول صاحب تاریخ داؤدی تقریباً ۴۴ سال اور بقول صاحب طبقات اکبری ۳۸ سال ۸ ماہ اور ۸ روز کی حکومت کے بعد بمقام "تلاولی" یا جلالی" داعی اجل کو لبیک کہا۔

اسی کے عہد کے ایک شاعر نے فارسی میں حسب ذیل سیدھی سادھی تاریخ وفات لکھی ہے: ۹۵

بہ ہشصد و نود و چار رفت از عالم
خدیو ملک ستانے جہاں کشا بہلول

بہ تیغ ملک ستاں بود ولیک دفع اجل
بود محال بہ شمشیر و خنجر مصقول!

سلطان بہلول کی اولادیں

سلطان بہلول کی مختلف بیویوں سے نو لڑکے تھے۔ لڑکیوں کی تعداد کا علم نہیں

۹۵ :۔ تاریخ داؤدی، قلمی، صفحہ ۲۰

ہو سکا۔ ان نو میں سے سب سے بڑا خواجہ بایزید تھا باقی ماندہ آٹھ کو صاحب طبقات اکبری اور صاحب تاریخ داؤدی نے اس ترتیب سے لکھا ہے:۔

نظام خاں جو سلطان سکندر سے ملقب ہوا۔ مبارک خاں باربک شاہ۔ عالم خاں مشہور بہ علاؤالدین۔ جمال خاں میاں محبوب خاں۔ فتح خاں۔ میاں موسیٰ خاں۔ جلال خاں

بہلولی عہد کے امراء و جاگیر دار

مورخین نے بہلولی عہد کے امراء کی جن میں اس کے اعزا بھی ہیں اور بعض ہندو امیر بھی۔ تعداد چونتیس[34] بتائی ہے۔ لیکن ان امراء میں نہ کوئی "سور" قبیلہ کا فرد ہے اور نہ کوئی "نیازی" ہے۔ اس نے ہندوؤں کو امارتیں بخشیں لیکن ان دونوں قبیلوں کے لوگوں پر اس کو اس قدر بے اعتمادی تھی کہ نہ صرف ان کو اپنے عہد میں عہدوں اور امارتوں سے محروم رکھا بلکہ مرتے وقت اپنے جانشین کو یہی عمل کرنے کی وصیت بھی کر گیا۔

ان بہلولی امرا میں سے صرف دس کے نام اور ان کے اجمالی حالات درج ذیل ہیں۔

۱۔ قطب خاں لودھی پسر اسلام خان:۔ یہ سلطان کا چچا زاد بھائی تھا۔ جس نے اپنے باپ کی جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے حسام خاں کی مدد سے اس کے خلاف سرہند پر چڑھائی کی تھی۔ جبکہ سلطان بہلول نے اپنے چچا کی جاگیر پر اس کے مرنے کے بعد حسب وصیت قبضہ کیا تھا۔ لیکن پھر قطب خاں سے میل ہو گیا تھا۔ اور وہ سلطان کے ساتھ وفادارانہ حیثیت سے ہر معرکہ میں شریک رہا۔ حتیٰ کہ جونپور میں سات سال تک جنگی قیدی

بھی رہا۔ یہ جونپور کی فتح کے بعد سلطان بہلول سے کچھ عرصہ قبل تقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔

۲۔ خواجگی شیخ سعید قرملی :۔ ان کے مفصل حالات سلطان سکندر کے امرا کی فہرست میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

۳۔ خان جہاں خاں بن خاں جہاں لودی :۔ یہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد خان جہاں کے خطاب سے سرفراز ہو کر اپنے باپ کی جگہ پر دہلی میں ابتداً مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد مختلف خدمات پر فائز ہوئے۔

۴۔ عمر خاں شروانی۔ سلطان سکندر کے امرا کی فہرست میں مفصل ذکر ہے۔

۵۔ میاں معروف قرملی :۔ یہ بھی بہلولی امیر تھے اور سلطان ابراہیم کے عہد تک زندہ رہے۔

۶۔ مبارک خاں لوقانی :۔ سلطان سکندر کے امرا کی فہرست میں مفصل ذکر ہے۔

۷۔ دریا خاں لودھی :۔ سلطان سکندر کے امرا کی فہرست میں مفصل ذکر ہے۔

۸۔ احمد خاں میواتی :۔ یہ فی الحقیقت شاہان سادات کے عہد کا امیر تھا۔ جس نے سلطان علاؤ الدین کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ایک حد تک آزاد تھا سلطان بہلول نے اس کو زیر کر کے اپنے امرا کے زمرہ میں شامل کر لیا تھا۔

۹۔ رائے پرتاب :۔ یہ سلطان بہلول کے وفادار امیروں میں سے تھا۔ سلطان بہلول نے اس کو "بھوگانوں" کا حاکم کیا تھا۔

۱۰۔ رائے کرن :۔ سلطان بہلول نے "شمساباد" فتح کرنے کے بعد وہاں کا حاکم رائے کرن کو کیا تھا۔

لودھیوں کا خاندان

سلطان سکندر لودھی

از:۔ ۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ

مدت سلطنت ۲۸ سال ۵ ماہ

سلطان سکندر کی پیدائش اُسکا نام اور اُسکی تربیت

نام نظام خاں اور لقب سلطان سکندر غازی تھا۔ یہ ایک زرگر کی لڑکی "ہیما" نامی کے بطن سے تھا۔ تاریخ افاغنہ کے مصنف احمد یادگار نے لکھا ہے۔ "بزمانۂ[1] حکومت سرہند بہلول نے اس کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہوگیا تھا۔ ہیما بھی عاشق ہوگئی تھی۔ چنانچہ جب وہ تخت شاہی پر بیٹھا تو اس کے باپ کو راضی کر کے اس سے اس (ہیما) کے ساتھ عقد کر لیا۔" اس کے بعد احمد یار نے سلطان سکندر کی پیدائش کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "جلوس[2] کے ساتویں سال نظام خاں پیدا ہوا" اس کی پیدائش پر سلطان بہلول نے انتہائی

---

[1]:۔ تاریخ افاغنہ المعروف بہ تاریخ شاہی۔ مطبوعہ کلکتہ۔ صفحہ ۱۷

[2]:۔ " " " " " ۱۸

خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اور چونکہ اس زمانے میں ممالک محروسہ بہلولی کا نظام حکومت ایک حد تک مکمل تھا اس لئے اپنے اس بیٹے کا نام میاں نظام ہی اس نے رکھ دیا تھا۔

میاں نظام بچپن ہی سے نہایت تیز اور ہوشیار تھا اور نہ صرف اس کی اور دوسری اولادوں سے وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا بلکہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس زمانے میں اس حسن وجمال کا کوئی آدمی ملک میں نہیں تھا۔ اس کے بچپن کے واقعات میں لکھا ہے کہ سلطان بہلول کو رانا اودے پور میواڑ کے خلاف جب چڑھائی کرنی پڑی تو اس نے کوچ سے پہلے ایک نئے انداز سے فال نکالی۔ چنانچہ احمد یادگار نے یہ لکھتے ہوئے کہ میاں نظام کو "جس کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی" تیر وکمان سے کھیلتے ہوئے دیکھ کر سلطان نے بلایا اور کہا۔ "آؤ[۳] اور اس پھول پر جو اس بوٹے پر کھلا ہوا ہے نشانہ لگا۔" میاں نظام نے جو نشانہ لگایا تو ایسا ٹھیک بیٹھا کہ "تیر کی انی سے پھول اڑ گیا اور درخت کو جنبش نہ ہوئی۔" سلطان خوشی سے اچھل پڑا۔ اور اس نے اس کو پیار کر کے سرکار سرہند اس کے نام لکھ دی۔ بہرحال وہ مہم پر گیا اور کامیاب ہوا۔ سلطان ابتدا ہی سے سب لڑکوں میں اسی کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس نے اس کی تربیت پر پوری پوری توجہ کی۔ محل سے علیحدہ کر کے خان خاناں کی اتالیقی میں اس کو دے دیا۔ جو اس کے پہلے اتالیق تھے۔ اس کے علاوہ اور جلیل القدر علماء اس کی تعلیم کے لئے مقرر کئے۔ اس وجہ سے نہ صرف وہ ایک سپاہی بنا بلکہ عالم بھی ہوا۔ اور مدبر بھی۔ بہرحال احمد یادگار نے "جلوس کے ساتویں

۳: تاریخ افاغنہ المعروف بہ تاریخ شاہی۔ مطبوعہ کلکتہ۔ صفحہ ۱۹

سال" اس کی تاریخ پیدائش لکھی ہے۔ اس اعتبار سے سلطان سکندر کی عمر بوقت تخت نشینی ۔ (اگر سلطان بہلول کی مدت حکومت بقول صاحب طبقات اکبری و صاحب منتخب التواریخ ۳۸ سال سمجھی جائے ۔) ۳۱ سال کی ہوتی ہے۔ اور اگر ۴۳ سال سمجھی جائے جیسی کہ تاریخ داودی کے مصنف نے لکھی ہے تو اس کی عمر اس وقت ۳۷ سال کی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مصنف تاریخ داودی کا بیان کہ "بوقت تخت نشینی سلطان سکندر کی عمر ۱۰ سال کی تھی"، کسی حالت میں درست نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خود مصنف تاریخ داودی نے سلطان بہلول کے حالات میں جہاں اُسکی اولادوں کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ :۔

"جس وقت اس کو دہلی کی بادشاہت ملی
اس وقت اس کے نو لڑکے تھے۔"

بعینہ یہی بیان صاحب طبقات اکبری کا بھی ہے۔ اس کے بعد ان دونوں نے ایک حد تک ترتیب وار ان سب لڑکوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ جس میں پہلا نام خواجہ بایزید کا ہے جو یقیناً سب میں بڑا تھا۔ اور پھر نظام خاں وغیرہ کے نام ہیں۔ لہذا اگر اس بیان کو صحیح سمجھ لیا جائے تو نظام خاں کی عمر بوقت تخت نشینی ۴۵ سال سے ۵۰ سال کے درمیان قرار پاتی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تاریخ داودی کو اس میں تسامح ہوا ہے اور وہ صحیح پتہ نہ چلا سکا کہ بوقت تخت نشینی سلطان بہلول کی کتنی اولادیں تھیں اور کتنی بعد تخت نشینی پیدا ہوئیں۔

بہرحال احمد یادگار کا بیان ایک حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے کہ نظام خاں سلطان بہلول کے جلوس کے ساتویں سال پیدا ہوا۔

ایّام شاہزادگی کے چند واقعات

شیخ حسین علائی جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے سلطان سکندر بڑا حسین و جمیل شاہزادہ تھا۔ جس کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ بعض مورخین نے اس کے حسن کے سلسلے میں ایک بزرگ صاحبِ دل کے عشق کا قصہ بھی لکھا ہے۔ جن کا نام شیخ حسین تھا اور جو شیخ ابو العلماء کے پوتے تھے۔ شیخ حسین ایک کامل بزرگ تھے جو سالک مجذوب تھے۔ یعنی سلوک میں بھی رہتے تھے اور جذب میں بھی۔ بہرحال ایک روز یہ بزرگ باوجود پہرہ داروں کی موجودگی کے جب کہ شاہزادہ سردی کے موسم میں بمقام آگرہ اپنے محل کے ایک کمرہ میں بیٹھا تھا۔ کمرے میں داخل ہو گئے۔ شہزادہ ان کے عاشق ہونے کو سن چکا تھا۔ اور نام و شکل سے بھی واقف تھا۔ وہ ان کو اس طرح سے آزادانہ محل میں دیکھ کر نہ صرف متحیر ہوا بلکہ اس کو بُرا بھی معلوم ہوا۔ چنانچہ شاہزادے نے دیکھتے ہی پوچھا:-

"دربانوں کے ہوتے ہوئے تو بغیر اجازت محل میں آگیا۔"

ﷺ:- ان دونوں بزرگوں کے مزارات "راپڑی" ضلع مین پوری یوپی میں ہیں۔

ﷺ: تاریخ افاغنہ صفحہ ۲۹

انھوں نے کہا: "مجھے کیا معلوم، تو جان" شہزادے نے کہا "تم میرے عاشق بنتے ہو" انھوں نے جواب دیا "اس میں میرا کیا اختیار ہے" شاہزادہ آخر کار جھنجھلا گیا۔ اس نے ان کو اپنی طرف بلایا اور دونوں ہاتھوں سے گردن پکڑ کر ان کا سر دہکتی ہوئی انگیٹھی میں رکھ دیا۔ انھوں نے بھی سر جھکا دیا اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ اسی اثنا میں سلطان بہلول کے دربار کا ایک ممتاز امیر جو شاہزادہ کا اتالیق بھی تھا، مبارک خاں لوحانی آ گیا۔ اس نے یہ ماجرا دیکھ کر جب یہ معلوم کیا کہ یہ شیخ حسن ہیں جنکا سر شاہزادہ نے دہکتی ہوئی انگیٹھی میں دبا رکھا ہے تو اس نے شاہزادہ سے کہا: ؎

"اے ناخدا ترس یہ تو کیا کرتا ہے۔ ان کو اس سے
کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اپنے نقصان سے تجھ کو ڈرنا چاہیئے"

مبارک خان کی اس جھڑکی سے شاہزادے نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور خان نے ان کا سر انگیٹھی سے الگ کیا تو دیکھا کہ واقعی ان کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا۔ مبارک خاں پھر کسی کام سے چلا گیا۔ اور شہزادے نے شیخ حسن کو پابہ زنجیر کر کے ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہزادہ کے آدمیوں نے اطلاع کی کہ شیخ حسن بازار میں ناچتے پھر رہے ہیں۔ اس نے کھڑکی کھلوائی تو دیکھا کہ زنجیریں پڑی ہیں اور وہ واقعی غائب ہیں۔ پہلے تو اس کو اس اطلاع کا یقین نہیں آتا تھا۔ لیکن اب جبکہ اس کو یقین ہو گیا تو اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ ان کو بلوایا۔ فوراً آ گئے۔

شاہزادے نے کہا: "مجھ پر عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہو پھر بھی میری قید سے بھاگتے ہو۔" انھوں نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ "میں خود نہیں

؎ :- تاریخ افاغنہ - صفحہ ۳۰

گیا تھا بلکہ میرے دادا نے یہاں سے نکال دیا تھا"۔ مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے شاہزادہ نے کسی قسم کی بے ادبی یا گستاخی حسن کیساتھ نہیں کی۔

ایام شاہزادگی اور تھانیسر کا واقعہ

ایک مرتبہ جبکہ وہ اپنی جاگیر پانی پت میں تھا۔ اس کو تھانیسر کے میلہ کی اطلاع ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھی اور اب بھی ہے جسکو "کرکشیتر" بھی کہتے ہیں۔ جہاں جاتری لوگ آکر اشنان کرتے تھے۔ اور ایک بڑے مندر میں پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ جاتری لوگ بڑی دور دور سے آتے تھے اور عبادت کے رسوم ادا کرکے جو زمانہ دراز سے چلی آتی تھیں۔ واپس چلے جاتے تھے۔ اس جوشیلے نوجوان شاہزادہ نے اپنی حکومت کے زعم میں اس قدیم رسم کو بند کرانے کا ارادہ کیا۔ لیکن تاوقتیکہ وہ علماء سے استصواب نہ کر لیتا کوئی عملی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ چنانچہ اس مسئلے میں اس نے علماء سے فتویٰ مانگا۔ ان علماء میں ملک العلماء عبداللہ اجودھنی بھی تھے۔ جو بڑے پایہ کے عالم تھے۔ اور نہایت درجہ حق گو و حق پرست تھے۔ ان سب علماء کی موجودگی میں اس نے ان سے اس کے متعلق فتویٰ مانگا۔ انھوں نے پوچھا کہ "وہاں کیا ہوتا ہے"۔ اس نے کہا "لوگ نہاتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں"۔ انھوں نے پوچھا "یہ رسم کب سے جاری ہے"۔ اس نے کہا "زمانہ دراز سے"۔ انھوں نے کہا کہ "اس سے قبل بھی اسلامی حکومت تھی۔ وہ مسلمان حکمران کیوں نہیں مزاحم ہوئے۔ اور انھوں نے اس رسم کو جبکہ بری تھی۔ کیوں نہیں بند کیا"۔ اس نے فوراً کہا کہ "ان کو توفیق نہیں ہوئی"۔ یہ آخری جواب سن کر ملا نے کہا: کہ

"شرع میں قدیم بت خانوں کا انہدام جائز نہیں ہے
اور قدیم الایام سے جو رسمیں دوسری قوموں میں چلی

طبقات اکبری۔ جلد اول صفحہ ۳۳۶

آتی ہیں ان کے موقوف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔"

شاہزادہ کو یہ سن کر طیش آگیا اور اس نے ملا کو یہ کہہ کر دھمکانے کی کو
کی کہ جو مشرکوں اور کافروں کی حمایت کرے گا۔ اس کو تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ ملا
اسی طیش سے جواب دیا۔ ؂

"موت برحق ہے۔ اس لئے بغیر حکم خدا کوئی نہیں مرتا ہے۔ جو شخص کسی ظالم بادشاہ کے سامنے آتا ہے وہ موت سے بے خوف ہو کر آتا ہے۔ مسئلہ شرع میں نے بیان کر دیا۔ اگر شرع کی پرواہ نہیں ہے تو پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ میں نے کہدیا۔ اب تم جانو۔"

شہزادہ نے ملک العلما کی زبان سے یہ حکم سنتے ہی سر تسلیم خم کر دیا اور
اس غیر شرعی ارادہ سے باز آیا۔

میاں نظام خاں کی تاجپوشی اور سلطان سکندر غازی لقب

سلطان بہلول مرحوم کی وصیت کے اعتبا
سے بعض امراء نے فوراً نظام خان کو سلـ
کے انتقال کی اطلاع دہلی بھیجی۔ چنانچہ اطلا
ہوتے ہی نظام خاں نے اپنے ایک امیر جمال خاں سارنگ خانی کو دہلی کا
انتظام سپرد کر کے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ وہاں سے روانگی سے
قبل وہ ایک مشہور بزرگ کی خدمت میں جن کا نام نامی شیخ سماء الدین کنبو
دہلوی تھا۔ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: ؂

؂ : تاریخ داودی۔ قلمی۔ صفحہ ۲۸

؂ " " ۳۳

"حضرات! میں آپ سے علم صرف میں "میزان"
پڑھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

یہ عرض کر کے اس نے کتاب کھول دی۔ کتاب کی ابتدا اس جملہ سے ہوتی تھی۔ "اسعدک اللہ فی الدارین خیرا"

چنانچہ جو کچھ کتاب میں لکھا وہی حضرت شیخ نے فرمایا۔ یعنی
"جان تو! خدا تجھ کو دونوں جہانوں کی سعادت
اور خوش بختی عطا فرمائے۔"

سلطان نے پھر عرض کیا "پھر فرمایئے اور تین بار فرمایئے"۔ چنانچہ حضرت نے تین بار یہ جملہ دہرایا۔ سلطان نے اس کے بعد: [1]
ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور امیروں کی طلبی پر اپنی
روانگی کی حقیقت ظاہر کی۔ اور پھر اس جملہ کو۔
دعا اور نیک فال قرار دیکر وہ روانہ ہو گیا۔"

غرضیکہ نظام خاں اس کے بعد ہوا کی طرح سے دہلی سے چل دیا اور باپ کی نعش کو بعد مراسم شرعی دہلی روانہ کیا۔ جہاں تدفین عمل میں آئی۔ اس کے بعد اس نے جلالی کے نزدیک "کالی ندی" کے کنارہ "کوشک سلطان فیروز" میں بتاریخ ۷ ارشعبان یوم جمعہ ۸۹۴ھ خاں جہاں لودھی۔ خانخاناں قرملی اور دوسرے امراء موجودین کے مشورہ سے تاج شاہی سر پر رکھا اور اپنے لئے "سلطان سکندر شاہ غازی" کا لقب اختیار کیا۔

سلطان سکندر اور اسکا دربار و کردار

لودھیوں میں ہر حیثیت سے یہ جلیل القدر بادشاہ ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں

---

[1] تاریخ داؤدی۔ قلمی صفحہ ۳۳

کہ سلطان بہلول بھی سچا اور پکا مسلمان تھا ، منصف اور رعایا پرور تھا۔ اور اچھا بادشاہ تھا۔ لیکن سلطان سکندر کے لئے یہ کہنا درست ہے کہ "اگر پدر نتواند۔ پسر تمام کند" سلطان سکندر بہت سی باتوں میں اپنے باپ سے بڑھ گیا تھا۔ اس کا دربار شاہی کروفر سے بالکل پاک تھا۔ وہ کریم النفس اور باوقار بادشاہ تھا۔ اس کی زندگی سادہ اور تکلفات سے بے نیاز تھی۔ اس کے دربار میں نہ تو فواحش تھے اور نہ وہ برائیاں تھیں جو اکثر اصحاب دولت و حکومت کے درباروں میں عموماً پیدا ہو جاتی ہیں۔ سختی سے شرع کا پابند تھا۔ مگر بہرحال انسان تھا اس لئے گناہ اور خطا سے مبّرا نہیں تھا۔ خود عالم تھا اور علم پرور تھا۔ بزرگان دین کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ اس کے گردو پیش جید علما رہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ بڑا خدا ترس۔ عادل۔ رعایا پرور اور محتاط بادشاہ تھا۔ اس کا عادل عام تھا۔ بوقت عدل شخصیت کا اثر اس پر بالکل نہیں ہوتا تھا۔ روزانہ دربار عام کر کے تمام معاملات کے فیصلے بذات خود نہایت حزم و احتیاط سے کیا کرتا تھا جس کی مثالیں آئندہ ابواب میں ملیں گی۔ قران کی تلاوت اور باجماعت نماز کا بھی پابند تھا۔ بعد نماز عشا رات کے دربار میں بھی وہ خدمت خلق سے غافل نہیں رہتا تھا۔ اور معاملات کے تصفیوں کے علاوہ اس وقت محتاجوں کی احتیاج بھی پوری کیا کرتا تھا۔ پچھلی رات کو وہ خواب سے بیدار ہو کر پہلے عبادات سے فارغ ہوتا۔ اس کے بعد معاملات ملکی کو طے کرتا اور پھر یا تو بادشاہان ہمعصر کو خطوط لکھواتا تھا یا سرحدی وزرا کے نام فرامین جاری کرتا تھا۔ معاملات ملکی کے لئے اس کی ایک "مجلس شوریٰ" بھی تھی۔ جو نامزدگی کے اصول پر تھی۔ جس میں "سترہ ممتاز علما" بحیثیت اراکین کام کیا کرتے تھے۔ وہ بادشاہ کے اشارہ پر کام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ صحیح معنوں میں جمہور کے مفاد کو جو شرع اسلام کا

بنیادی اصول ہے مدنظر رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ایسے مواقع پر بادشاہ کے ارادے اور رائے کو نظر انداز کر کے وہی نامزد جماعت ایک طرح کی "حزب الاختلاف" کی شکل اختیار کر کے حق پرستی کا نمونہ پیش کیا کرتی تھی۔ جیسا کہ واقعہ تھانیسر سے واضح ہو چکا ہے۔

سلطان سکندر کا دسترخوان اور اس کی داد و دہش

مجلس علماء یا مجلس شوریٰ کے یہ جملہ ستّہر آراکین "محل خاص" میں حاضر رہتے تھے بادشاہ کا دسترخوان بچھتا تھا اور کھانے کے طبق لگائے جاتے تھے تو آراکین بھی شریک دسترخوان ہوتے۔ مگر بقول صاحب تاریخ داؤدی ان کو کھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ سلطان کے کھانے کے بعد یہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے اور یہ شاہی کھانا ان کے گھروں کو پہنچ جاتا تھا۔ یہ اس لئے تاکہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ کھانا کھائیں۔

شہر کے مختلف ومتعدد حصوں میں۔ ہندو اور مسلمان مستحقین کیلئے روزانہ کچا اور پکا کھانا تقسیم کراتا تھا۔ جاڑوں کے موسم میں تمام فقیروں مسکینوں اور معذوروں کو خواہ کسی مذہب وملت کے ہوں۔ گرم کپڑے حتیٰ کہ شالیں تقسیم کرتا تھا۔ محتاجوں اور فقیروں کو بعد فراغ نماز جمعہ خیرات تقسیم کراتا تھا۔ ماہ رمضان المبارک اور ماہ محرم الحرام میں فقراء اور درویشوں کو شاہانہ انعام دے کر خوش کرتا تھا۔ سال میں دو بار ملک بھر کے فقرا اور مستحقین کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اور ان کی حیثیت کے اعتبار سے ان کو ششماہا رقم دے دیا کرتا تھا۔ تمام ملک محروسہ میں جتنی مساجد تھیں۔ ان میں خطیب۔ امام۔ موذن اور جاروب کش مقرر کئے اور ان کی معقول تنخواہیں جاری کیں۔ غریبوں کا اس قدر خیال تھا کہ اگر کوئی ذرا بھی فریاد کرتا تھا تو فوراً متوجہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اکثر

ایسا ہوا ہے کہ سواری شاہانہ کے وقت کسی غریب نے اگر فریاد کی تو فوراً دریافت شروع ہو جاتی تھی کہ اس پر کس نے زیادتی کی ہے۔ اگر کسی امیر کی زیادتی ہوتی تھی۔ تو اس امیر کا وکیل جو حاضر دربار رہتا تھا۔ اسی وقت اس مظلوم کی داد رسی کر کے اسکو خوش کرتا تھا اور اس سے باز دعوے پیش کراتا تھا۔

عہد سکندری یا عہد احیاء علوم

یہ اسی مبارک و مسعود عہد سکندری کا کارنامہ تھا کہ عرب و عجم کے ممتاز علماء مشائخ بہ تعداد کثیر ہندوستان میں آکر دہلی اور آگرہ کے اطراف میں سب سے پہلے آباد ہوئے اور اس کو انھوں نے اپنا وطن بنا کر علم کے پیاسوں کی پیاس بجھائی۔ فی الحقیقت سلطان سکندر کا عہد۔ یعنی نویں اور دسویں صدی ہجری ــــــ ہندوستان کے لئے احیاء علوم کا دور تھا۔ اس کے زمانے میں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا شوق ایسا عام ہو گیا تھا کہ بقول مصنف تاریخ داؤدی و طبقات اکبری و منتخب التواریخ:۔

"خواہ امیر زادہ ہو یا ادنیٰ آدمی ہو۔ ہر ایک کے
دماغ میں علم کا سودا سمایا ہوا تھا۔"

اہل ملک نے بادشاہ کی اس توجہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی اس نعمت غیر مترقبہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور علوم متداولہ کو حاصل کر کے اس میں کمال پیدا کیا۔ چنانچہ اس زمانہ کی علمی خدمت میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ ہندوؤں میں بڑے پایہ کے نہ صرف فارسی شاعر ہوئے بلکہ عالم صاحب درس بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی اس عہد کے توسیع علم کا تذکرہ

---

۱ ؎ ۔ طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۔ و تاریخ داؤدی قلمی صفحہ ۳۷ ۔

اس طرح کرتے ہیں: [12]

"ایک برہمن صاحب درس بھی تھا اور شاعر بھی چنانچہ
مسعود بیگ کی غزل پر جو اس نے غزل لکھی اس
کا مطلع یہ ہے۔"

دل خوں نہ شدے چشم تو خنجر نہ شدے گر ٭ رہ گم نہ شدے زلف تو ابتر نہ شدے گر

سلطان سکندر خود بھی بڑے پایہ کا شاعر تھا اور گلرخ تخلص کرتا تھا۔ اور اپنے کلام کی اصلاح شیخ جمال کنبوہ دہلوی سے لیا کرتا تھا۔ چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے کلام کا نمونہ دیتے ہوئے اس کی جو غزل لکھی ہے۔ وہ یہ ہے: [13]

سروے کہ سمن پیرہن و گلبدنستش ٭ روئے ست مجسم کہ دراں پیرہنستش
مشکے ختنے ہست کہ صد مملکت چین ٭ در قلعۂ آں زلف شکن در شکنستش
در سوزن مژگاں بکشم رشتۂ حالاں ٭ تا چاک باوزم کہ دراں پیرہنستش
گلرخ چہ کند جوہر دندان ترا وصف ٭ ہا چوں در سیراب سخن در دہنستش

اس سنگلاخ زمین میں جس انداز میں سلطان نے یہ مرصع غزل لکھی ہے وہ اسی بلند پایہ بادشاہ شاعر کا حصہ تھا۔ اس کے علاوہ مصنف طبقات اکبری نے بھی اس کے چند اشعار بطور نمونہ دئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

مارا زخاک کویت پیراہنست برتن ٭ آں ہم زآب دیدہ صد چاک تا بدامن

لیکن باوجود اس ذوق شاعری کے وہ اپنے اور فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اس کا دربار قصیدہ گو شعرا کا مرکز نہیں بنا۔ ہر کام کے لئے

---

[12]: منتخب التواریخ۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۲۳

[13]

اوقات مقرر تھے۔ چنانچہ جو وقت جس کام کے لئے مخصوص تھا۔ اس میں دوسرا کام نہیں ہوتا تھا۔ سلطان سکندر نے اپنے عہد میں اگر ایک طرف تنظیم مملکت کی جانب توجہ کی۔ تو دوسری طرف تعلیم۔ مذہبی۔ اجتماعی اور اقتصادی تنظیم سے بھی غافل نہیں رہا۔ اس کی توجہ ملک کے ہر قصبہ کی طرف یکساں رہتی تھی۔ ملّا بدایونی درسیات عہد سکندری کے متعلق لکھتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ:[۱۵]

"درسیات میں اس سے قبل سوائے شرح شمسیہ اور شرح صحائف کے علم منطق میں کوئی اور کتاب نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ سلطان سکندر کے عہد میں عبداللہ تلنبی[۱۶] دہلی میں اور عزیز اللہ تلنبی سنبھل میں ملتان سے آکر مقیم ہوئے اور انھوں نے علوم معقول کو رواج دیا۔"

سلطان نے ویدک کے نسخوں کے تراجم بھی کرائے اور اس طرح ہندوستان کی قدیم طب کا احیاء کر کے اس کی توسیع کی۔ چنانچہ مصنف تاریخ داؤدی لکھتا ہے:[۱۷]

"سلطان سکندر کے حکم سے ویدک کے مجلدات

۱۵: منتخب التواریخ۔ جلد اول۔ صفحہ

۱۶: میر غلام علی آزاد نے اپنی کتاب سرو آزاد جلد اول میں لکھا ہے "تلنبہ۔ بہ فتح تا و سکون لام و فتح با و نون۔" ملتان میں ایک شہر ہے۔ ملا عبداللہ وہاں سے دہلی آئے۔ وہیں ان کی وفات ۹۲۲ھ میں ہوئی (تاریخ "اولٰئک لھم درجات العلٰی") ہے۔

۱۷: تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۳۷

سے علم طب میں میاں بھوا کے اہتمام اور نگرانی سے
عجیب کتاب کا ترجمہ ہوا اور اس کا سکندری نام
رکھا گیا۔ ہندوستان کے حکیموں کے علاج کا مدار اسی
سکندری کتاب پر تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے
کارناموں میں سے یہ ایک کارنامہ ہے جو عالم وجود
میں آیا۔"

اس توسیع علم کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگوں میں حیا۔ نیکی۔ ادب۔ دینداری دین پروری۔ پرہیزگاری اور امانت کوٹ کوٹ کر بھر گئی تھی۔ چوری ڈاکہ بدکاری اور اس قسم کے افعال قبیح ایک حد تک قصہ پارینہ ہو گئے تھے۔ بمقابلہ تادیب و سیاست کے تعلیم اس اصلاح کی زیادہ معاون ہوئی۔

سلطان سکندر کی علمی مجلس کا ایک منظر

اس کی علمی مجلسیں نہ صرف ادبی اور تفریحی ہوتی تھیں بلکہ علمی اور تعلیمی بھی ہوتی تھیں۔ جن میں تعلیم کے حصول کے بعض طریقے بھی طے پاتے تھے تنظیم و اصلاح ملک کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ حتیٰ اس کے لئے سفر و حضر یکساں تھا۔ ایک بار بسلسلہ سیر و شکار اودھ کے نواح میں تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ زمین داران جونپور نے سر اٹھایا ہے۔ اور وہ اس کے بھائی باربک شاہ سے جو جونپور کا حاکم اور والی تھا۔ مغلوب نہیں ہو رہے ہیں یہ سنتے ہی سیر و شکار اور دورہ برطرف کر کے ان کی سرکوبی کے لئے تیار ہو گیا۔ اور اپنے ساتھیوں میں سے اس نے محمد قرملی۔ اعظم ہمایوں دخانخاناں لوحانی کو روانہ کیا۔ اور مبارک خاں کو آگرہ سے روانگی کا حکم دیا۔ ان سب کو حکم دیا گیا کہ باربک شاہ کو معزول کر کے پیش کریں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور

باریک شاہ کو لاکر پیش کیا گیا۔ اس نے باربک شاہ کو تو تربیت خاں شروانی اور عمر خاں شروانی کے سپرد کیا اور خود ایک جمعیت کو ساتھ لیکر ان زمینداروں کی سرکوبی کے لئے قلعہ چنار کی طرف بڑھا۔ زمینداروں نے کچھ دنوں تو لشکر سلطانی کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار راجہ بھاگا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ اور وہاں کی بغاوت ختم ہو گئی۔ سلطان چاہتا تھا کہ آگے جائے۔ لیکن اس پہاڑی راستہ میں کثرت سے گھوڑے ضائع ہو گئے تھے۔ یعنی جس شخص کے پاس سو گھوڑے تھے ان میں سے صرف دس باقی رہ گئے۔ اور سب مر گئے سلطان نے آگے جانے کا ارادہ ملتوی کر کے فوج کی مزید درستی کے لئے جونپور میں مقام کرنا مناسب سمجھا۔ اور کئی مہینے جونپور میں وہ اس کام کیلئے مقیم رہا۔ ایک روز علمی مجلس گرم تھی۔ ایک صاحب نے "تربیت اطفال" کے سلسلہ میں یہ شعر پڑھا:۔

ادب[1] شرط است گر فرزند شوخ است ٭ سگ دیوانہ را دارو کلوخ است

سلطان نے کہا کہ پہلے مصرعہ میں "ادب" اور "فرزند شوخ" اور دوسرے مصرعہ میں "سگ دیوانہ" اور "کلوخ" کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کلوخ (یعنی ڈھیلا) کو دوا سے کیا تعلق ہے۔ اس تنقیدی سوال پر بحث ہونے لگی۔ تمام امراء و علما موجودین نے اپنے اپنے فہم کے اعتبار سے مطلب بیان کرنے کی ناکام کوشش کی۔ کیونکہ سلطان یہ کہتا تھا کہ کلوخ (ڈھیلا) کتے کے لئے ایک حد تک ادب آموز ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی دیوانگی کو دور نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے دوا کا کام نہیں کیا۔ اسی عرصہ میں خواجہ شیخ قریلی جو ایک زبردست عالم اور اس کی شاہزادگی کے زمانے میں

---

[1] :۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۴۵

اس کے سرکار کے دیوان تھے۔ اور اب اس کے مقرب اور مشیر خاص۔ اتفاقاً دربار میں پہنچ گئے۔ سلطان ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اس نے سارا قصہ ان سے بیان کیا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ اور سب لوگوں نے کیا کہا۔ سلطان نے ان سب کے بیان کئے ہوئے مطالب کو دہرا کر اپنی غیر اطمینانی کا اظہار کیا۔ اسی وقت خواجہ قربلی نے کہا:۔ [سلہ ۱۹]

کلورخ بر کسر کاف ایک کیڑہ ہے جو دیوانے کتے کے لئے دوا ہے۔ موسم برسات میں وہ پتوں پر رہتا ہے۔ رنگ اس کا سیاہ ہوتا ہے اور اس پر سفید یا سرخ رنگ کا نقطہ ہوتا ہے۔ ہندی زبان میں اس کو "ہندی" کہتے ہیں۔ یہ کیڑہ دیوانے کتے کے لئے بھی دوا اور جس کو وہ کاٹ کھائے اس کی بھی دوا ہے۔ گیرو اور شیرہ میں ملا کر گولیاں بناتے ہیں اور سگ گزیدہ کو کھلاتے ہیں۔"

جب خواجہ یہ مطلب بیان کر چکے تو حاضرین مجلس نے کہا کہ یہ تو علاج ہوا۔ اس کا ادب سے کیا تعلق ہے۔ اس کے جواب میں خواجہ نے کہا:۔ [سلہ ۲۰]

"دیوانگی جاتی ہے ادب حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ کہاوت بچوں کے لئے کہی گئی ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں اور بچے کو نرمی سے ادب سکھائیں۔ سختی اور بے مہری سے پرہیز کریں۔ کیونکہ اگر

سلہ ۱۹:۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۴۷

سلہ ۲۰ " " "

اگر ایسا نہیں ہے تو دیوانہ کتنا تکلیف اٹھانے سے
مزید دیوانہ ہوجائے گا۔"

بچوں کی تربیت و تعلیم کے سلسلہ میں خواجہ شیخ سعید قریشی کا پیش کردہ اصول کہ "بہ نرمی ادب و حکمت کستاد بہ سختی و بے مہری نہ کنند" مکاتب میں جاری کیا گیا۔ ۔اور بچوں کی تعلیم گاہوں میں اس کی سختی سے پابندی کی گئی۔ ۔حتیٰ کہ تربیت اطفال کے سکندری اصول کو سامنے رکھ کر اکبری عہد میں "بیت الاطفال" یا "دبستان اطفال" کی بنیاد ڈالی گئی اور اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ آئین "آموزش" میں بچوں کی تعلیم کے متعلق اکبری فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے جس میں خصوصیت سے بچوں کے استادوں کو ہدایت تھی کہ وہ بچوں کی صرف رہبری کیا کریں تاکہ کھیل ہی کھیل میں وہ پہلے حرفوں کو پہچانیں اور اس کے بعد اسی طرح وہ الفاظ کو پہچاننے لگیں۔ شیخ ابوالفضل[۱۲] نے لکھا ہے کہ "بہتوں نے اس سے پہلے مہینوں میں جو ترقی نہیں کی تھی اس طریق سے انھوں نے دنوں میں ترقی حاصل کرلی۔"

سلطان سکندر کا سنبھل میں سنہ ۹۰۵ھ تا ۹۰۸ھ چار سالہ قیام اور مذاکرات علمی و ادبی

جونپور کی واپسی کے بعد سلطان سکندر نے سنبھل میں مسلسل چار سال قیام کیا۔ اور جشن منائے۔ حسب دستور کبھی کبھی علمی مذاکرے بھی ہوجایا کرتے تھے۔ چنانچہ علماء سے ایک روز اس نے دریافت کیا کہ آیا یہ چرندے اور پرندے بھی آپس میں ایک دوسرے کی گفتگو سمجھتے ہیں یا نہیں۔ علماء نے قرآن پاک سے ثبوت پیش کرتے ہوئے "اثبات" میں جواب دیا۔

---

[۱۲]:۔ آئین اکبری۔ سرسید اڈیشن۔ صفحہ ۱۶۰

سلطان نے خواجہ شیخ قریشی سے فرمایا:[۲۲]

"جو کچھ علما کہہ رہے ہیں ہمارا عقیدہ اسی پر ہے
لیکن میں عقلی دلیل چاہتا ہوں۔"

خواجہ شیخ نے فوراً جواب دیا:۔

"منقول میں معقول کی گنجائش نہیں ہے۔"

سلطان نے پھر کہا:۔

"میں نے خود پہلے ہی یہ کہہ دیا ہے کہ ہمارا عقیدہ
اسی پر ہے۔ لیکن تمہارے دل میں کیا ہے وہ بتاؤ۔"

خواجہ نے عرض کیا:۔

"شکاری جال بچھاتا ہے اور اس کے بعد ایک پتی منہ میں رکھ کر آواز نکالتا ہے۔ پرندے جمع ہو جاتے ہیں اور پکڑے جاتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آواز ہمارے کسی ساتھی کی نہیں ہے اس کے علاوہ دوسری مثال یہ ہے کہ چڑیا کی آنکھیں سی کر جال پر اس کو بٹھا دیا جاتا ہے اور پھر اس کو چھیڑا جاتا ہے جس سے وہ چیختی ہے۔ دوسری چڑیاں اس کے گرد اکٹھا ہو جاتی ہیں۔ اور پکڑی جاتی ہیں وہ یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ وہ عاجز و مجبور ہیں اور وہاں جانے میں خطرہ ہے۔ اس لیے ہم کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔ اس طرح سے کوئے بعض ان پرندوں

[۲۲] ۔ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۱۵

کے شور سے جو پہاڑوں یا درختوں میں رہتے ہیں
جمع ہو جاتے ہیں اور پھر چلے بھی جاتے ہیں۔"

سلطان سکندر کی قلندروں سے گفتگو اور بابر بادشاہ سے بحیثیت قلندر ملاقات اور علمی مذاکرہ

سلطان سکندر کا مقام دہلی میں تھا۔ ملک میں امن چین تھا۔ سب مطیع و فرمانبردار تھے۔ اسی زمانے میں وہاں قلندروں کی ایک جماعت بارگاہ سلطانی میں آئی۔ مقربان خاص نے سلطان کی خدمت میں ان کی آمد کی اطلاع کی اور عرض کیا:

"ایک قلندر اہل معرفت دربار میں حاضر ہے اور
جمال جہاں پناہ کے دیدار کا متمنی۔"

سلطان نے فوراً اندر آنے کی اجازت دی۔ بابر قلندر نے اندر داخل ہو کر سلطان سے مصافحہ کیا۔ مصافحہ کرتے ہی اس کو پتہ چل گیا کہ سلطان بہت ہی با اقبال ہے اور اس کی سلطنت کا دیدبہ بہت ہے اور ابھی رہے گا مصافحہ کے بعد سلطان اور بابر قلندر کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:

سلطان:۔ "درویش بول کس وجہ سے اشرف ہیں۔"

بابر:۔ قلندری کی وجہ سے۔

سلطان:۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست ✿ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

۳۳:۔ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۵۰۔ اس واقعہ کو مصنف تاریخ داؤدی نے یہ لکھ کر "در یکے از تاریخہا در نظر در آمدہ" بیان لیا ہے۔ نہ کسی تاریخ کا حوالہ دیا ہے اور نہ دوسرے مورخوں نے اس قسم کا کوئی ذکر کیا ہے۔ حتیٰ کہ "بابر نامہ" بھی اس مسئلہ میں خاموش ہے۔

بابر نے نگاہِ غیرت آمیز سے سلطان کی طرف دیکھ کر کہا:-

نہ ہر کسیکہ کلہ کج نہاد و تند نشست ؎ کلاہ داری نہ آئین سروری داند

سلطان سکندر نہ صرف جواب سے خوش ہوا بلکہ چونکہ حافظ کی ایک ہی غزل کے دو شعروں نے سوال و جواب کی تکمیل کر دی۔ اس لئے اس برجستہ جواب سے بہت ہی محظوظ ہوا۔ کیونکہ جواب علمی ہونے کے ساتھ مسکت بھی تھا۔ اس کے بعد سلطان دربار سے اٹھا اور اس نے قلندروں کی مہمان داری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پوری پوری مدارت کی جائے۔ اس مجلس قلندری نے اس میں قلندروں سے ملنے کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ بہر حال کچھ دنوں کے بعد اس نے پھر قلندروں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ ایک روز دربار خاص میں آکر اس نے ان کو بلوایا۔ وہ سب آئے۔ لیکن ان کا سردار اس روز نہیں آیا۔ سلطان نے سردار کے نہ آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اسی روز ہم سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ سلطان سکندر کی عقل رسا نے معلوم کر لیا کہ شاید وہ بابر قلندر تھا چنانچہ جب اس نے پوچھا کہ کیا "اس کا نام بابر" تھا تو انھوں نے جواب دیا۔ جی ہاں ہم اس کو بابر ہی کہتے تھے۔ یہ جواب سنتے ہی سلطان ہاتھ ملتا رہ گیا اور کہنے لگا "ہما ہاتھ میں آگیا تھا کہ نکل گیا"، مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ بابر نے واپس جا کر اپنے ملک سے سلطان سکندر کو کچھ اشعار لکھ بھیجے جن میں الفت و محبت کا اظہار تھا۔ اور اس طرف سے سکندر نے بھی اسی قسم کے جواب بھیجے۔

عدالت و عدل سکندری سلطان سکندر عادل بھی تھا اور عدل پسند بھی۔ وہ اس قدر ہوشیار تھا کہ نہایت آسانی سے معاملہ کی تہ کو پہنچ جاتا تھا۔ ملک میں اس نے عدالتیں قائم کر کے نہایت فاضل

و دیانت دار حاکم عدالت مقرر کئے۔ ان کو تاکید تھی کہ انتہائی غیر جانبداری تحقیقات اور دیانت کے ساتھ مقدمات کے فیصلے کیا کریں تاکہ رعایا میں بے چینی اور حکام کی طرف سے بدگمانی پیدا نہ ہونے پائے اس کے ساتھ اس نے اپنی عدالت میں بھی بحیثیت "جوری" یا مشیر چند نہایت قابل اشخاص کو مقرر کر رکھا تھا۔ تاکہ عدل وا انصاف میں لغزش نہ آئے۔ اس کے عدل و انصاف نے یہاں تک ظلم و زیادتی کا قلع قمع کر دیا تھا کہ کوئی شخص اپنے ماتحت کو تیز نگاہ سے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جہاں جہاں حاکم عدالت مقرر تھے ان کی نگرانی اس خوبی سے کرتا تھا کہ ان کو اپنی غلطیوں کا پتہ نہیں چلتا تھا لیکن سلطان کو ان کا علم ہو جاتا تھا۔ خبر رسانی کا ایسا جال بچھا رکھا تھا کہ اس کو معمولی سے معمولی واقعہ کی خبر ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ امراء کے گھر کے اندر کے واقعات کا علم بھی اس طرح سے ہو جاتا تھا کہ سننے والے اس کہنے پر مجبور تھے کہ سلطان کے قبضہ میں ضرور جنات ہیں جو اس کو جزیات سے بھی آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ حاکم عدالت کو یہ حکم تھا کہ "چبوترۂ عدالت" پر وہ صبح سے شام تک اجلاس کیا کرے تاکہ کوئی فریادی انصاف سے محروم نہ رہے۔ "دولت خانۂ خاص" میں عدالت کے حاکم کے ساتھ ۱۲ علماء موجود رہتے تھے حاکم عدالت جب واقعہ کی تنقیح کر چکتا تھا۔ تو وہ واقعہ اس "قانون دان علما" کی جماعت کے سامنے بغرض فتوے پیش کیا جاتا تھا۔ فتوے کے بعد وہ فیصلہ بارگاہ سلطانی میں اسی وقت پیش کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ صبح سے شام سے یہ مجلس اپنا کام کرتی تھی۔ اور بارگاہ سلطانی میں اس سلسلہ میں فیصلہ جات یکے بعد دیگرے بغرض توثیق پیش کئے جاتے تھے۔ یہ "مرافعہ" آخر کی عدالت اعلیٰ تھی۔ جس میں ماتحت عدالتوں کے بھی فیصلہ جات پیش ہوتے تھے۔

اور بعض ایسے استغاثے بھی ہوتے تھے جو بیشتر تو مالگذاری کے ہوتے تھے لیکن بعض دیوانی اور فوجداری کے بھی ہوتے تھے اور جو براہ راست عدالت سلطانی میں دائر ہوا کرتے تھے۔ یہ وہی ہوتے جو عدالت ماتحت کے حدود اختیار سے باہر ہوتے تھے۔ ایک عورت نے جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ عدالت سلطانی میں آکر فریاد کی تو سلطان نے یہی کہا کہ مقامی عدالت میں کیوں نہیں رجوع کرتے۔ اس وقت اس نے جواب دیا چونکہ وہاں کی عدالت سے اس کے خلاف فیصلہ ہوا اس لئے بارگاہ سلطانی میں مرافعہ کرنے پر مجبور ہوئی۔ وقت اور زمانہ کے اعتبار سے عدالتوں کی ایسی اچھی تنظیم تھی کہ رعایا کو پورا چین نصیب تھا۔ سلطانی عدالت کی کارروائی اور فیصلہ کی چند مثالیں بطور نمونہ درج ذیل ہیں:-

مثل ۱۔ مقدمۂ دیوانی مالگذاری

قصبہ ارول مضافات پٹنہ کے ایک سید نے "میاں ملیح" جاگیردار کے خلاف دعویٰ کیا کہ جاگیردار نے اس سے زمین واپس لے کر اس کو بے دخل کر دیا ہے۔ سلطان نے حاکم عدالت شاہی میاں بھوا کو حکم دیا کہ وہ اس معاملہ کی تحقیقات کر کے صحیح نتیجہ پیش کریں۔ چنانچہ اس مقدمہ کو دو ماہ گزر گئے لیکن عدالت کسی نتیجہ پر نہ پہونچ سکی۔ سلطان نے حکم دیا: [۲۴]

"کیا مصیبت آگئی ہے جو مقدمہ اب تک زیر
دوران ہے۔ تاوقتیکہ آج اس کا تصفیہ نہ ہو جائے
عدالت سے نہ حاکم (دیوانی) جائے اور نہ وہ بارہ
علماء جائیں اور نہ میاں ملیح (مدعیٰ علیہ)

---

[۲۴] : تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۴۰

یہ حکم ہوتے ہی سب کے سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور آخر کار دن بھر اور ایک پہر رات کی نشست میں انھوں نے معاملہ کا تصفیہ کر کے میاں ملیح کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور فریادی کو مظلوم قرار دیا۔ سلطان کے پاس یہ فیصلہ پہنچتے ہی وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ملیح جاگیردار سے باز پرس کی کہ:[۲۵]

"میں نے قطعی حکم دیدیا تھا کہ کوئی شخص اپنے
زیر دست اور ماتحت پر زیادتی نہ کیا کرے
اور اس حکم کے ساتھ کہ جاگیرداروں کے
فرمان میں املاک اور وظائف کی بھی تصریح
کی جا چکی ہے تو پھر تو نے حکم کے خلاف
کیوں کیا۔"

میاں ملیح نے ندامت سے سر جھکا کر اظہار قصور کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی۔ سلطان نے حکم دیا کہ:۔

"ملیح تین بار کہے "ملیح گنہگار اور ظالم ہے"
اور سید مظلوم"

جب میاں ملیح یہ جملہ تین بار دہرا چکے تو سلطان نے فرمایا کہ:۔

"تیرے لئے یہی سزا کافی ہے کہ تو عدالت کے
سامنے رسوا ہوا۔"

اس کے بعد اس کی جاگیر چھین لی گئی اور پھر زندگی بھر اس کو جاگیر نہیں ملی۔

۲۵۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی صفحہ ۸۱

مثل ۲۔ مقدمہ فوجداری	اگرے کے گورو دبرہمن اقوم کے دو بھائی تنگی معاش سے عاجز آکر سلطان سکندر

کے لشکر کے ساتھ جو اس وقت قلعہ رائسینہ میں متعین تھا رہ کر اپنا گذارہ کرنے لگے۔ جب لشکر وہاں سے روانہ ہوا تو وہ بھی اس کے ساتھ چل دیئے راستہ میں ایک گاؤں میں ان کو بھی اتفاق سے کچھ اشرفیاں مل گئیں اور چند ٹکڑے رنگین اور دو لعل بھی ملے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ مطلب حاصل ہو گیا۔ اب مزید محنت اٹھانے کی کیا ضرورت۔ گھر واپس چل کر عیش کریں۔ دوسرے نے کہا۔ بھائی جب پہلی بار یہ مال غنیمت ہاتھ آگیا تو دوسری بار اس سے بہتر ہاتھ آئے گا۔ بہرحال چھوٹا بھائی آگے جانے پر راضی نہ ہوا اور اس نے گھر واپس جانے کی ٹھان لی۔ مجبوراً دونوں بھائیوں نے مال آپس میں وہیں تقسیم کر لیا۔ چونکہ بڑا بھائی گھر واپس نہیں ہو رہا تھا اس لئے اس نے اپنا حصہ چھوٹے بھائی کو دیکر ہدایت کردی کہ یہ میرا حصہ اپنی بھاوج کے حوالے کر دینا۔ چھوٹا بھائی گھر پہنچا اور اس نے لعل کے علاوہ سب مال اپنی بھاوج کو دے دیا اور کہہ دیا کہ یہ بھائی نے بھیجا ہے۔

دو سال بعد بڑا بھائی گھر واپس آیا۔ آتے ہی اس نے اپنی بیوی سے مال کے لئے پوچھا۔ اس نے وہ مال سامنے رکھ دیا۔ لعل نہ دیکھ کر اس نے اپنے بھائی سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ "لعل سمیت سب مال بھاوج کو میں نے دے دیا تھا"، اس نے کہا کہ "وہ تو لعل سے انکار کرتی ہے"۔ چھوٹے بھائی نے کہا "جھوٹ بکتی ہے۔ بغیر تھوڑی بہت سختی کے وہ ہرگز نہ بتائے گی۔" اس نے اس کے کہنے پر اپنی بیوی پر سختی شروع کی۔ اس بیچاری نے جب یہ مصیبت دیکھی اور ایک رات کی مہلت مانگی اور صبح کو دینے کا

وعدہ کیا۔ صبح ہوتے ہی وہ حاکم عدالت "میاں بہوا" کی خدمت میں حاضر ہو کر فریادی ہوئی۔ انھوں نے اسی وقت دونوں بھائیوں کو طلب کیا اور ان سے ماجرا پوچھا۔ چھوٹے بھائی نے کہا "میں نے لعل بھاوج کو دے دیا تھا"۔ اس جواب دعوٰی پر حسب قانون انھوں نے اس سے دریافت کیا کہ اس کا کوئی گواہ ہے۔ اس نے دو گواہ بتائے۔ میاں بہوا نے ان کی نوعیت پوچھی تو اس نے کہہ دیا کہ یہ دونوں گواہ برہمن قوم کے ہیں۔ میاں بہوا نے ان کی حاضری کا حکم دیا۔ وہ فوراً قمار خانہ میں گیا اور بقول مصنف تاریخ داؤدی:-

"اسؔ نے دو جواریوں کو تین تین تنکہ (ایک تنکہ مساوی ایک روپیہ) دیکر ان کو سمجھایا کہ کس طرح سے وہ گواہی دیں۔ اس کے بعد ان دونوں کو معقول کپڑے پہنائے اور ان کے سینہ و پیشانی پر صندل لگا کر پان کھلائے اور اس طرح ان کو عدالت میں لے آیا۔ دونوں نے جھوٹی گواہی دے دی۔ میاں بہوا نے دیکھتے ہی کہ گواہ معتبر ہیں۔ بڑے بھائی سے کہا۔ جا جس طرح ممکن ہو تو اپنی بیوی سے لعل حاصل کر"

عورت یہ فیصلہ سن کر گھبرا گئی۔ اور وہاں سے وہ سیدھی شاہی عدالت میں پہونچی اور اس نے سلطان کے دریافت کرنے پر عدالت سلطانی میں سب واقعات صحیح صحیح بیان کر دیئے۔ یہ سن کر سلطان نے فرمایا۔

ؔ:- تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۳، ۴۴، ۴۶

"میاں بہوا کے پاس کیوں نہیں گئی۔"

اس نے عرض کیا۔ اے عادل بادشاہ! وہاں میں گئی تھی لیکن انھوں نے جیسی چاہیئے ویسی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے فریقین مقدمہ اور گواہوں کو حاضری کا حکم دیا۔ اس عرصہ میں میاں بہوا بھی آگئے۔ سلطان نے غصہ سے ان کی طرف منہ کرکے فرمایا "تم نے کس طریقے سے اس مقدمہ کی تحقیقات کی۔" انھوں نے عرض کیا "باضابطہ شہادت لینے کے بعد فیصلہ صادر کیا گیا۔" سلطان نے گواہوں کو جب طلب کیا تو وہی دونوں پھر کرایہ دے کر لائے گئے۔ جیسے ہی وہ سامنے آئے سلطان انھیں فراست اور ذکاوت سے بھانپ گیا کہ یہ دونوں کرایے کے گواہ ہیں چنانچہ اس نے فوراً کہا:

"یہ تو دونوں جواری ہیں جو تین یا چار ٹنکے دے کر لائے گئے ہیں۔"

میاں بہوا نے عرض کیا "ظاہر میں تو یہ دونوں نیک معلوم ہوتے ہیں" سلطان نے فرمایا "یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔"

اس ابتدائی مرحلہ کے بعد سلطان نے ان سب کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا اور سب سے پہلے عورت کے شوہر کو بلا کر اس سے پوچھا کہ "لعل کتنا بڑا تھا۔" اور یہ کہہ موم اس کو دیا اور کہا کہ "اس لعل کی نقل بنا" چنانچہ اس نے جیسا اور جتنا بڑا لعل تھا۔ اس موم کا بنا دیا۔ اس لعل کو اس نے مسند کے نیچے چھپا دیا۔ اور اس کے بعد اس کے چھوٹے بھائی کو بلا کر یہی عمل کیا۔ اس نے بھی اسی طرح کی شکل بنا دی۔ اس کے بعد گواہوں کو ایک ایک کرکے بلایا اور الگ الگ پوچھا۔ تم نے لعل اپنی آنکھوں سے دیکھا

انھوں نے اقرار کیا اور کہا ہم بادشاہ کے سامنے گواہی دے رہے ہیں سلطان نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ موم کے ٹکڑے دے کر لعل کی شکل بنانے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے شکلیں ایک دوسرے سے مختلف بنائیں اس کے بعد سلطان نے اس عورت کو بلا کر موم دیا اور اس سے لعل کی شکل بنانے کے لئے کہا۔ عورت نے عرض کیا "جس چیز کو میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ہے اس کی شکل کیونکر بنا سکتی ہوں"۔ سلطان نے ہر چند زور دے کر اس سے کہا مگر وہ یہی کہتی رہی۔ اور شکل بنانے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان دونوں بھائیوں سے پھر لعل کے متعلق اس نے پوچھا۔ ایک نے کہا "میں نے تو بھیجا ہی تھا۔ میں کیوں نہ دیکھتا"۔ دوسرے نے کہا "میں اس کو لایا تھا"۔ اس کے بعد گواہوں سے بھی اس نے اسی طرح دوبارہ دریافت کیا۔ انھوں نے بھی دیکھنے کا اقرار کیا۔ لیکن جب پھر عورت سے پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ سلطان سکندر نے اس وقت موم کی بنائی ہوئی ان چار شکلوں کو نکال کر میاں بھوا کے سامنے رکھا اور ان سے کہا:۔

"تم عدالت میں بیٹھ کر یہی انصاف اور یہی
تحقیقات کرتے ہو۔ بیچاری عورت کو ناحق تم
نے چور ٹھہرایا۔ چور تو اس عورت کے شوہر
کا بھائی ہے"۔

یہ عتاب آمیز تنبیہ کر کے گواہوں سے اس نے فرمایا۔
اگر تم سچ کہدو گے تو تم کو امان دی جائے گی
اور جھوٹ پر ڈٹے رہے تو اسی وقت تم کو قتل
کر دیا جائے گا۔ مجھے معاملہ کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے"

موت کی دھمکی سے گواہوں کے حواس جاتے رہے اور انھوں نے صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا۔ سلطان نے فرمایا کہ "تم کو بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ بادشاہوں کے سامنے جھوٹ نہیں بولنا چاہئیے۔ انھوں نے عرض کیا:۔

"ہم جواری ہیں۔ بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ پہلی
دفعہ تین تین ٹنکے دے کر یہ ہمیں لایا تھا اور
اس دفعہ یہ ہم کو چار ٹنکے دے کر لایا ہے۔ اور
کپڑے اپنے گھر سے لا کر اس نے پہنائے ہیں
ہم غریبوں نے اس رقم کو غنیمت سمجھا۔ جب
رزق کے لئے ہم بازاروں میں ننگے پھرتے ہیں
تو اس کہتے ہیں ہم کو کیا شرم تھی۔"

اس کے بعد وہ اس برہمن کے چھوٹے بھائی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور سزا کا حکم دینے ہی والا تھا کہ اس اصلی مجرم نے بھی صاف صاف سب کچھ کہہ دیا۔ وہ سزا سے بچ گیا۔ اور عورت بیچاری اس شاہی عادلانہ کوشش کی بدولت الزام سے بری ہو گئی۔ حاضرین عدالت اس فہم و فراست اور دوربینی سے ششدر رہ گئے۔ سلطان نے چونکہ گواہوں کو امان دے دی تھی گویا موجودہ زمانے کی اصطلاح میں وہ سرکاری گواہ ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کو دروغ حلفی یا جھوٹی شہادت کی سزا تو نہیں دی۔ البتہ لغرض تنبیہ یہ حکم دے دیا کہ:۔

"ان دونوں کے منہ اور ہونٹ زمین پر رگڑے
جائیں۔"

تعمیل حکم کے بعد ان کو چھوڑ دیا گیا۔

مثال ۳۔ مقدمہ خیانت دو بدمعاشوں نے ایک بقچہ ایک ساہوکار کے پاس بطور امانت رکھ کر اس سے یہ کہدیا کہ جب تک ہم دونوں ساتھ نہ آئیں۔ اس وقت تک یہ بقچہ کسی ایک کو نہ دینا۔ چنانچہ یہ فہمائش کر کے وہ چلے گئے۔ تھوڑے دنوں بعد ان میں سے ایک نے آکر بقچہ مانگا۔ ساہوکار نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تک دوسرا ساتھ نہیں آئے گا بقچہ نہیں ملے گا۔ اس نے ایک دور کھڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ کھڑا ہوا کہہ رہا ہے۔ ساہوکار نے جو اوپر نظر کی تو اس نے دیکھا کہ وہ اشارہ سے بقچہ دینے کے لئے کہہ رہا ہے۔ چنانچہ اس کو دور سے دکھا کر بقچہ اس آنے والے کو ساہوکار نے دے دیا۔ دوسرے روز وہ دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرا دوست بھاگ گیا ہے۔ خبردار! اس کو بقچہ نہ دینا۔ صراف نے کہا کل تو تو بقچہ مجھ سے لے گیا ہے۔ اس نے بقچہ لے جانے سے قطعی انکار کر دیا اور کہا "کل تو میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا" دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاملہ بارگاہ سلطانی میں پہونچا۔ سلطان نے صراف اور اس بدمعاش کو جو اس روز بقچہ لینے آیا تھا بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو نے ساہوکار سے کیا شرط کی تھی۔ اس نے وہ شرط بتادی اور صراف کے قول کو بھی دہرایا۔ اس نے عرض کیا "اگر فدوی کل گھر سے باہر نکلا ہو تو قابل قتل ہے"، ساہوکار نے دریافت کرنے پر جو واقعہ تھا بیان کر دیا۔ سلطان سمجھ گیا کہ ساہوکار سچا ہے کیونکہ امانت رکھنے کا اسکو اقرار تھا۔ چنانچہ اس اوباش سے سلطان نے فرمایا:۔ ؎

"تیرا بقچہ امانت ہے اپنے دوست کو ساتھ لا اور

؎: تاریخ داودی قلمی۔ صفحہ ۶۶

جیسی کہ شرط ہے ساتھ مل کر اپنا بقچہ تم دونوں لے
جاؤ۔"

چونکہ مدعی نے فریب کا جال بچھایا تھا۔ جو عدالت میں آکر کھل گیا۔ اس لئے مدعی واپس نہ آیا اور اس طرح ساہوکار مفروضہ خیانت کے جرم سے بری ہو گیا۔

عہد سکندری میں زراعت کی ترقی

بقول مصنف تاریخ داؤدی سلطان سکندر نے اسی ملک پر قناعت کی جو اس کو اپنے باپ سے میراث میں ملا تھا اور تمام زندگی نہایت امن اور خوشی سے بسر کی۔ اور اپنی تمام رعایا۔ اعلیٰ و ادنیٰ کو خوش دل رکھا اور کسی کو کسی پر زیادتی نہیں کرنے دی۔ بالخصوص زراعت پیشہ لوگوں کا اس کو بے حد خیال رہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ملک کی رونق اور آبادی کا دارومدار زراعت کی فراوانی پر ہے۔ چنانچہ ایک بار سنبھل کے ایک شخص کو زمین کھودتے وقت پانچ ہزار "اشرفیاں" ملیں۔ حاکم سنبھل نے اطلاع پاتے ہی ان کو بحق سرکار ضبط کر لیا اور بارگاہ سلطانی میں معروضہ پیش کر دیا۔ معروضہ پیش ہوتے ہی نیک نیت اور بلند ہمت سلطان نے فوراً حکم دیا کہ جس کو یہ اشرفیاں ملی ہیں اسی کو واپس کر دی جائیں۔ میاں قاسم حاکم سنبھل نے اس غلط فہمی میں دوبارہ معروضہ کیا کہ چونکہ سلطان کو اس کاشتکار کی حیثیت کا علم نہیں ہے اس لئے اشرفیاں واپس دینے کا حکم ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا:۔

بادشاہ[۲۶] جہاں پناہ! جس شخص کو یہ رقم ملی ہے

---

[۲۶] تاریخ داؤدی صفحہ ۳۸

وہ اتنی بڑی رقم کے لائق نہیں ہے۔"

یہ معروضہ پڑھتے ہی سلطان آگ بگولا ہو گیا اور اس نے میاں قاسم کو فرمان بھیجا ۲۹

"او بے وقوف! جس نے اس کو یہ رقم دی ہے اگر وہ اس کے لائق نہ ہوتا تو وہ خود اس کو نہ دیتا۔ سب اللہ کے بندے ہیں۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کون لائق ہے اور کون لائق نہیں ہے۔"

یہ فرمان پہونچتے ہی ساری رقم میاں قاسم نے اس کو ادا کر دی۔

اسی طرح ایک زمین میں ایک بار بندگی شیخ محمد کی زمین جوتی جا رہی تھی کہ ایک جگہ پر ایک پتھر کی بہت بڑی چٹان دکھائی دی جوتنے والے نے کام چھوڑ کر اس کی اطلاع شیخ بندگی کو کر دی۔ انھوں نے کچھ اور آدمیوں کو حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے اور زیادہ زمین کھودی تو صاف چٹان نکل آئی۔ جب وہ اٹھ گئی تو دیکھا کہ اس کے نیچے ایک کنواں تھا۔ ان لوگوں نے اسی طرح سے اس کو ڈھک دیا اور شیخ کو آکر اطلاع دی۔ یہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہونچے اور انھوں نے وہ پتھر اٹھوایا۔ اور لوگوں کو کنوئیں میں اتارا تو کنواں خزانہ سے بھرپور پایا۔ شیخ نے وہ خزانہ نکلوا کر اپنے گھر پہنچایا۔ بعض برتن سونے کے ایسے تھے جن پر سلطان ذوالقرنین کا نام بھی تھا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حاکم لاہور دوبیالپور کو ہوئی تو اس نے شیخ بندگی کو لکھ کر بھیجا کہ "چونکہ یہ علاقہ میرا

۲۹: تاریخ داؤدی صفحہ ۳۹

ہے لہٰذا اس دفینہ کا مالک میں ہوں۔" شیخ نے جواب دیا کہ "اگر خدائے تعالیٰ کچھ کو دیتا تو مجھے کوئی دعویٰ نہ ہوتا۔ خداوند کریم نے یہ مجھے عطا کیا ہے اس لئے اس میں تیرا کوئی حق نہیں ہے۔" علی خاں نے یہ جواب پا کر سلطان کی بارگاہ میں معروضہ بھیجا اور اطلاع دی کہ "شیخ محمد کی زمین میں شاہی خزانہ ملا ہے۔" سلطان نے فوراً جواب دیا کہ تو کون ہے جو شیخ سے الجھ رہا ہے" شیخ نے بھی علی خاں کی مداخلت کی وجہ سے کچھ سونے کے برتن جن پر ذوالقرنین کھدا ہوا تھا۔ سلطان کی خدمت میں بھیجتے ہوئے برتنوں کی قسم اور تعداد لکھی اور معروضہ کیا کہ "جہاں حکم ہو وہاں داخل کر دیئے جائیں۔" سلطان نے حکم بھیجا: نمبر۳

"یہ سب تم اپنے پاس رکھو۔ ہم کو اور تم کو دونوں
کو خدا کی بارگاہ میں حساب دینا ہے۔ یہ خدا
کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔"

سلطان اگر کسی کو مقررہ رقم کی جاگیر عطا کرتا تھا اور اس جاگیر کی آمدنی اس مقررہ رقم سے زیادہ ہوتی تھی اور ارکان دولت معروضہ کر کے چاہتے تھے کہ فاضل رقم اس جاگیردار سے وصول کی جائے تو وہ یہ سوال کیا کرتا تھا کہ "آیا جاگیر اس کو عطا ہوئی ہے یا وہ خود اس پر قابض ہوا ہے۔" اس پر جب ارکان دولت یہ جواب دیتے تھے کہ "شاہی عطیہ" ہے تو وہ کہا کرتا تھا "یہ اس کے نصیب کا ہے لہٰذا اسی کے پاس رہے گا۔"

فی الحقیقت زراعت اس قدر ترقی پر تھی کہ جاگیرداروں کی آمدنیاں سال بہ سال بڑھتی چلی جاتی تھیں۔ پیداوار کی وہ بہتات تھی کہ ہر چھوٹے سے

نمبر۳: تاریخ داؤدی، صفحہ ۳۹

چھوٹا زمیندار اور کاشتکار خوشحالی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ ہزاروں کی آمدنی کی جاگیریں لاکھوں کی ہوگئیں۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں زراعت ہی خوش حالی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ اس لئے اس پر پوری توجہ کی جاتی تھی سلطان نے ملک بدرالدین جھیلم کو سات لاکھ تنکے کی آمدنی کی جاگیر میں پورا ایک پرگنہ در دلبست عطا کیا۔ زراعت کی تنظیم سے اس سال اس میں نو لاکھ کی آمدنی ہوئی۔ چونکہ فرمان میں آمدنی کی رقم مقرر تھی۔ اس لئے بارگاہ سلطانی میں دو لاکھ کی زیادتی کی اطلاع دیتے ہوئے اس نے معروضہ کیا "یہ فاضل رقم کس خزانہ میں داخل کر دی جائے" سلطان نے حکم دیا۔ اپنے پاس رکھو۔ جاگیردار نے یہ سمجھا کہ لبطور امانت حکم ہوا ہے۔ لہذا اس نے وہ رقم اپنی جاگیر کے خزانے میں رہنے دی۔ دوسرے سال جاگیر کی آمدنی گیارہ لاکھ ہوئی۔ اس نے پھر حسب سابق معروضہ کیا۔ وہاں سے پھر وہی حکم ہوا کہ "اپنے پاس رکھو" تیسرے سال پندرہ لاکھ کی آمدنی ہوئی جاگیردار نے حسب دستور پھر معروضہ کیا۔ اس پر سلطان نے یہ آخری فرمان جاری فرمایا:[۳۱]

"یہ تمام آمدنی تمہاری جاگیر کی ہے۔ اس لئے اس کے تم مالک ہو۔ بار بار کیوں معروضہ کرتے ہو۔"

عہد سکندری میں قحط اور زلزلہ

سلطان سکندر کے ۲۸ سالہ عہد میں ایک بار قحط پڑا اور ایک بار زلزلہ آیا۔ لیکن ان دونوں کی حیثیتیں مقامی تھیں۔ بقول مصنف تاریخ داؤدی

۳۱:۔ تاریخ داؤدی صفحہ ۴۰

جب سلطان دھولپور کی فتح کے بعد جہاں اس نے ایک ماہ قیام کر کے مساجد تعمیر کرائیں اور دوسرے ضروری انتظامات کئے آگرہ واپس آیا۔ تو اُسی وقت ۳ صفر ۹۱۱ھ دارالسلطنت آگرہ میں ایسا سخت زلزلہ آیا کہ :[۳۲]

"پہاڑ لرزنے لگے۔ بڑی بڑی مضبوط اور
عالیشان عمارتیں مسمار ہو گئیں۔ زندوں نے
اس کو قیامت سمجھا، مردوں نے حشر جانا۔"

طبقات اکبری میں سیدھی سادی اس کی تاریخ حسب ذیل درج ہے :۔[۳۳]

گردید سواد آگرہ چوں مرحلہا	در نہصد واحدے عشر از زلزلہا
از زلزلہ بود عالیہا سافلہا	با آنکہ بناہا شرب عالی بود

مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے :[۳۴]

"حضرت آدم کے وقت سے سلطان سکندر
کے زمانے تک اس قسم کا زلزلہ نہ تو ہندستان
میں کبھی آیا اور نہ کسی کو یاد ہے۔ اس کے بعد
ہی سے ہندوستان میں زلزلے آنے شروع
ہوئے۔"

۹۱۰ھ میں سلطان سکندر کے عہد میں بہار کے ایک مخصوص علاقہ میں جسکو اس زمانے میں علاقہ درویش پور کہتے تھے۔ اور جو خاں جہاں ابن

---

۳۲ :۔ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۵۴

۳۳ :۔ طبقات اکبری۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۲۵

۳۴ :۔ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۵۵

خان جہاں لودھی کے بیٹے احمد خاں المخاطب بہ اعظم ہمایوں کی جاگیر تھی۔ قحط پڑا۔ اس زمانے میں سلطان سکندر مع لشکر کے بنگال سے واپس ہوا۔ اور وہیں مقیم تھا۔ سلطان نے جب قحط کا یہ حال دیکھا تو اس نے نہ صرف اس زمانے میں "زکوٰۃ غلہ" کی وصولی کی ممانعت کر دی۔ بلکہ اس کی وصولی کو بالعموم ممنوع قرار دیدیا۔ چنانچہ بقول صاحب طبقات اکبری[۳۵]

"عام رعایا کے رفاہ کے لئے اس کل ملک
میں بادشاہ نے، زکوٰۃ غلہ معاف کر دی اور
اس کی ممانعت میں "فرامین" جاری فرمائے
اس وقت سے زکوٰۃ غلہ برطرف ہوئی۔"

مصنف تاریخ داودی کا بیان ہے کہ "خلیفہ جہانگیر بادشاہ" کے عہد میں زکوٰۃ غلہ کا دوبارہ اجراء ہوا۔

عہد سکندری میں سخاوت

سلطان سکندر کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص کبھی بارگاہ سے محروم نہیں جاتا تھا حتیٰ کہ اگر وہ فقیر آتا تھا تو امیر ہو کر واپس جاتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ اس کی اصل و نسل کو دریافت کر کے اس کے اعزاز خاندانی کو برقرار رکھنے کے لئے اتنا دیتا تھا کہ وہ اسی عزت سے زندگی بسر کر سکے جس عزت سے اس کے بزرگ بسر کرتے تھے۔ اسی شاہانہ سخاوت کا یہ اثر تھا کہ اس کے عہد کا ہر دولت مند خیرات و مبرات میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔

سلطان سکندر کا دستور تھا کہ سال میں دو بار شاہی خزانے کو ہر

۳۵۔ طبقات اکبری، جلد اول، صفحہ ۳۲۰

شہر میں چند ایماندار اور خداشناس حکام کی نگرانی میں بھیجا کرتا تھا تاکہ اس حلقے کے مستحقین دوری کی وجہ سے شاہانہ داد و دہش سے محروم نہ رہنے پائیں۔ اس کے علاوہ اس نے تمام بزرگان دین کے لئے "معاش"، مقرر کردی تھی۔ اور یہ حکم دے دیا تھا کہ اب آئندہ مزید "فرمان" کی ضرورت نہ سمجھی جائے۔ عیدین۔ عشرہ شریف اور یارھویں شریف کے مواقع پر ہر قسم کے قیدیوں کو رہائی دیکر مالی مشکلات سے ان کو نجات دیتا تھا۔ ایک بار جاگیر عطا کرنے کے بعد وہ اُس وقت تک اس سے نہیں چھینتا تھا جب تک کہ جاگیردار سے کوئی خیانت نہ سرزد ہو۔ البتہ اگر کوئی سخت قصور اس سے سرزد ہوجاتا تھا جیساکہ "میاں بلیح" جاگیردار کے قصہ میں اوپر بیان ہوچکا ہے۔ تو پھر جاگیر نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ اس کی عزت اور مرتبہ میں فرق بھی نہیں آنے دیتا تھا۔ کھانا جس کا مقرر ہوجاتا تھا وہ اس کی زندگی تک جاری رہتا تھا۔ اسی طرح سے اگر از قسم لباس و اشیاء کسی کو کبھی اس نے کچھ عطا فرمایا تو اس کو بھی اسی انداز میں تاحیات باقی رکھتا تھا اور وقت مقررہ پر وہ لباس یا جو چیز مقرر ہوجاتی تھی۔ اس کو بھیج دیا کرتا تھا۔ مصنف تاریخ داودی نے تو یہاں تک مبالغہ سے کام لیا ہے:[۳۶]

"کہ شیخ عبدالغنی جونپور کے ایک بزرگ
گرمیوں میں سلطان کی ملاقات کے لئے
آئے۔ مختلف قسم کے کھانے ان کے لئے
مقرر کئے گئے تھے۔ چونکہ گرمی کا موسم تھا اس

---

[۳۶] تاریخ داودی۔ قلمی۔ صفحہ ۳۶

لئے شربت کے چھ کوزے بھی ان کو بھیجے
گئے۔ اس کے بعد وہ بزرگ ایک بار جاڑوں
میں آئے تو دکھالوں کے ساتھ، وہ چھ کوزے
شربت کے بھی تھے۔"

غرض کہ سکندری عہد خیرات اور سخاوت کا وہ عہد تھا کہ بقول مورخین دوسرے کسی عہد میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس دریا دلی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ سلطان اس امیر کو بہت پسند کرتا تھا جو غریبوں اور مفلسوں کے وظائف اور معاش مقرر کیا کرتا اور جب اس قسم کی اطلاع اس کو ہوتی تھی وہ تو کہا کرتا تھا:[۳۷]

"ایسی چیز کی بنیاد ڈالی ہے جس سے اس کو
نقصان پہونچ ہی نہیں سکتا۔"

مثال سخاوت را میاں محمود بن خواجہ سعید قرملی

سلطان نے ایک بار خواجگی شیخ سعید قرملی کے صاحبزادے "میاں محمود" کو اپنا سب سے بہتر گھوڑا اس شرط کے ساتھ عنایت فرمایا کہ "تم یہ کسی کو مت دینا" یہ شرط اس وجہ سے تھی کہ میاں محمود کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی کے سوال کو رد نہیں کیا کرتے تھے اور جو کچھ سائل مانگتا دے دیتے تھے۔ چونکہ یہ عادت سلطان کو معلوم ہو گئی تھی اس لئے یہ شرط لگا کر ان کا امتحان سلطان نے لینا چاہا۔ ایک روز اتفاقاً ایک پنکھا بیچنے والا آگیا اور اس نے وہ شاہی گھوڑا مانگا۔ میاں محمود نے شاہی شرط کا ذکر کرتے ہوئے اس

---

[۳۷] تاریخ داودی۔ قلمی صفحہ ۳۸

کے دینے سے معذوری ظاہر کی اور اس کے عوض میں تین چار گھوڑے دینے وعدہ کیا۔ لیکن "باد فروش" یا پنکھا فروش اسی گھوڑے کو مانگتا رہا۔ ممکن ہے سلطان نے بطریق مزید امتحان اس "باد فروش" کو بھجوایا ہو بہر حال جب مسئلہ کسی طرح سے طے نہ ہوا تو پنکھا فروش بولا: [۳۸]

"اگر تو دیتا ہے تو یہی گھوڑا دے میں دوسرا نہیں لوں گا۔ بادشاہ کی بات کا تو اتنا خیال ہے اور میں سائل ہوں میری بات کا تجھے خیال نہیں کہ میں محروم جاؤں گا۔ یہ گھوڑا آخر ایک روز مر جائے گا تب تو افسوس کرے گا۔"

یہ تازیانہ لگا کر وہ روانہ ہونے کو ہی تھا کہ میاں محمود بلبلا اٹھے اور انھوں نے کہا: [۳۹]

"جو کچھ ہوتا ہوگا وہ ہو رہے گا۔ تو گھوڑا لے جا۔ میں سائل کے سوال کو رد نہیں کر سکتا۔"

دوسرے روز بوقت تفریح جبکہ میاں محمود ہمرکاب سلطانی تھے سلطان نے دیکھا کہ شاہی جلوس کے ہمراہ وہ باد فروش بھی شاہی گھوڑے پر سوار موجود ہے۔ سلطان نے سوار کو بلا کر گھوڑے کے متعلق پوچھا تو اس نے میاں محمود کو دعا دیتے ہوئے یہ دوہرا (ہندی) پڑھا۔

دوہا — "دان کیو محمود نے جوکا ہرج رہا سلطان"

---

[۳۸] تاریخ داودی صفحہ ۵۲

[۳۹] " " "

سلطان نے یہ سن کر دونوں کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ واپس آنے کے بعد میاں محمود سے باز پرس کی اور اس کی جاگیر چھین لی۔ سلطان سکندر نے اپنے ایک محبوب امیر کا یہ دوسرا امتحان لیا تھا امیر نے اس پر بھی کچھ نہ کہا نہ کچھ کیا۔ سلطان کے اس عتاب کو دیکھ کر خوجگی شیخ سعید قرملی کی کیا مجال تھی کہ اپنے بیٹے کی سفارش کرتا۔ یا اس کی کچھ مدد کرتا۔ میاں محمود نے سب کچھ چھوڑ کر ترک وطن کر دیا۔ ہر چند احباب نے سواری مہیا کی۔ مگر میاں محمود نے کسی کی سواری قبول نہ کی اور پیدل گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ساٹھ دوست بھی اس کے ساتھ اسی طرح چل دیئے۔ میاں محمود کی عادل خاں میواتی نے اپنے علاقہ میں بڑی آؤ بھگت کی اور چاہا کہ وہاں قیام کریں لیکن اس نے کہا:[1]

"گھر سے نکل کر صحن میں بیٹھنا یہ کچھ عقلمندی نہیں ہے"

یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔ اور ناگور کے حاکم کے پاس ٹھہرا۔ تھوڑے دنوں بعد سلطان کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے خوجگی شیخ سعید کو بلا کر کہا:[2]

"جو ہمارے کام آتا تھا اس کو تم نے بھگا دیا اور جو لڑکے تمہارے کام آتے ہیں ان کو اپنے پاس رہنے دیا۔ حالانکہ میں اسی

---

[1] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۵۲

[2] " "

ایک کے طفیل سے تمہارے سب لڑکوں
کو کچھ نہ کچھ دیتا رہتا تھا۔"

یہ سنتے ہی شیخ قربلی نے اپنے بیٹے میاں محمود کو بلا کر حاضر کیا۔ بارگاہ سلطانی میں پہونچتے ہی پھر وہی اعزاز و اکرام۔ پھر وہی جاگیر منصب اور وہی جاہ و جلال نصیب ہوا۔

مثال ۳۔ سخاوت سید خاں پسر مبارک خاں ساہو خیل لودھی

سید خاں پسر مبارک خاں ساہو خیل لودھی کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ پہلے فقراء کی مختلف قسم کے کھانوں سے تواضع کر کے پھر ہر ایک کو ایک ایک اشرفی دے کر رخصت کرتا تھا۔ اس کے بعد خود کھانا کھاتا تھا۔ ایک دن کسی نے سید خاں کو اطلاع کی کہ شیخ محمد قربلی کے وکیل کی حالت حوادث زمانہ سے ایسی بگڑی ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں رہا۔ اس نے وکیل کو بلایا اور اپنے غلام سے کہا کہ دونوں ہاتھوں میں اشرفیاں بھر کر اس کے دامن کو بھر دے اس نے دونوں ہاتھوں میں اشرفیاں بھریں اور وہ سید محاسب کے پاس چلا گیا تا کہ اس سے شمار کرائے کہ کتنی ہیں۔ اشرفیوں کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ان کی قیمت ستر ہزار تنکہ ہوتی ہے۔ اس غلام نے اس خیال سے کہ یہ رقم بہت زیادہ ہے سید خاں کو یہ اطلاع دے دی۔ سید خاں نے یہ سن کر کہا:[۲]

"اتنی اشرفیاں اور بڑھا دے کہ ایک لاکھ
تنکا پورا ہو جائے"

---

[۲] تاریخ داؤدی صفحہ ۴۷

ایک بار سید خاں شکار میں تھا۔ ایک کسان نے ایک ہنڈیا میں دہی لاکر پیش کیا۔ سید خاں بہت خوش ہوا اور اس نے اس کے بدلے میں اس کی ہنڈیا اشرفیوں سے بھروادی اور اس کو رخصت کیا۔

اسی طرح ایک روز جبکہ سید خاں اپنی جاگیر چندیری (مالوہ) میں تھا۔ ایک عورت نے ایک رکابی میں نیم کی پتیاں لاکر پیش کیں۔ اس نے دیکھا تو پتیاں بالکل تازہ اور ہری تھیں۔ سید نے ان تازہ اور سبز پتیوں کے لانے کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا: [۴۳]

"میں نے ان پتیوں کا ساگ اس انداز سے پکایا ہے کہ پتیوں کی صورت تو بدلی نہیں البتہ کڑواہٹ زائل ہو گئی۔ اور ساگ کا مزا پیدا ہو گیا۔"

سید نے اس کمال کی داد دی اور اس کے برتن کو اشرفیوں سے بھر کر اس کو مالا مال کر دیا۔

ایک بار سید خاں اپنے گھوڑوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس کا ایک مصاحب و امیر صدر خاں سربنی بھی ساتھ تھا۔ پہلا گھوڑا جس وقت پیش کیا گیا تو اس نے صدر خاں سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے گھوڑے کی بیحد تعریف کی۔ اس نے حکم دیا کہ صدر خاں کے آدمیوں کو یہ گھوڑا سپرد کر دیا جائے۔ اسی طرح ایک ایک کرکے اس کو آٹھ گھوڑے دے دیئے گئے۔ اب صدر خاں نے تعریف کرنی موقوف کی۔ نویں گھوڑے کی دکھائی کے وقت باوجود دریافت کرنے کے صدر خاں نے جب

---

[۴۳] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۷

بجائے تعریف کرنے کے یہ کہا:۔

"کہ بخشش کی حد ہو چکی"

تو سید خاں نے داروغہ اصطبل سے پوچھا کہ آج کتنے گھوڑوں کی دکھائی ہے۔ داروغہ نے جواب دیا "ایک ۱۲۰ سو بیس"۔ سید خاں نے مسکراتے ہوئے کہا:۔ ؎۴۸

"صدر خاں ایک ایک گھوڑا لینے سے
گھبرا گیا ہے۔ آج جتنے گھوڑے دکھائی
کے لئے لائے گئے ہیں وہ سب میں
صدر خاں کو عنایت کرتا ہوں۔"

غرضیکہ ایک ہی نشست میں سید خاں نے ایک ہی شخص کو ایک ۱۲۰ سو بیس گھوڑے بخش دیئے۔

ایک روز سید خاں اپنے جواہرات کا معائنہ کر رہا تھا۔ تین جواہر اس کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک کی قیمت سات لاکھ تنکہ۔ دوسرے کی پانچ لاکھ اور تیسرے کی تین لاکھ تنکہ تھی۔ ایک مصاحب وہیں کھڑا ہوا تھا اور وہ جواہرات دیکھ رہا تھا۔ سید خاں بھانپ گیا اور اس نے پوچھا کہ "سچ سچ بتاؤ ان میں سے کس پتھر کے لئے تمہارے دل میں خیال آیا کہ وہ میں تم کو دے دوں گا"۔ اس نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ خیال نہیں آیا۔ سید نے کہا اچھا اب خیال کرو۔ اس نے کہا "تین لاکھ تنکہ کی قیمت والا۔" سید نے مسکرا کر کہا "قیمتی جواہر کو چھوڑ کر کم قیمت کا دل میں

؎۴۸ تاریخ داؤدی صفحہ ۷۵

خیال لاتا ہے" اس کے بعد اس نے کہا: ۴۵

"اچھا کم قیمت کا تو تم نے خیال کیا بیش قیمت کا میں نے خیال کیا۔ تیسرا تنہا رہ جاتا ہے۔ اس لئے میں تم کو تینوں جواہرات عنایت کرتا ہوں۔"

مثال ۳۔ سخاوت خاں اعظم لاڈ خاں پسر احمد خاں

خان اعظم ایک نوجوان بلند ہمت امیر تھا۔ جس کو خیرات دیتا تھا اس کو اشرفی اور روپیہ سے بھری ہوئی تھیلی دیا کرتا تھا۔ بالکل جاہل تھا۔ حتیٰ کہ بقول نورحسین اس کو دو سے زیادہ گنتی بھی نہیں آتی تھی۔ اس کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کبھی باہر سے کوئی سوغات اور تحفے از قسم نقد و جنس آتے تھے تو اس وقت جو لوگ اس کے پاس ہوتے تھے ان ہی کو وہ چیزیں بخش دیا کرتا تھا۔ جاڑوں کے موسم میں ہمیشہ دوتہا پہنتا تھا اور دوسرے روز کسی نہ کسی کو دے دیا کرتا تھا۔ صاحب تاریخ داؤدی کا بیان ہے: ۴۶

"چوگان بازی یا سفر میں اگر وہ کسی کو اپنا گھوڑا دیا کرتا تھا تو وہ پھر طویلہ میں واپس نہیں لایا جاتا تھا۔ بلکہ وہ اس شخص کو عنایت کر دیتا تھا۔ اور اس کا راتب اسی کی سرکار سے مقرر ہو جاتا تھا۔"

---

۴۵ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۷۵

۴۶ " " ۷۶

سلطان سکندری کی ہنر پروری

سکندری عہد میں ہر قسم کے فن دان کی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے اس نے فنون کے اعتبار سے ایسے عہدیدار و امرا مقرر کئے تھے۔ جو فن والوں کا امتحان کر کے معروضہ پیش کیا کرتے تھے۔ اور وہ عہدیدار یا امیر جو اس کام کے لئے مقرر تھے وہ ان فنون میں خود بھی کامل ہوتے تھے۔ منجملہ اور فنون کے موسیقی کے فن کا بھی ایک سررشتہ تھا جس کے افسر میراں سید روح اللہ و سید ابن رسول اللہ دونوں بھائی تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ جب کوئی ماہر موسیقی یا بے نظیر قوال کہیں سے آتا تو وہ ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اور یہ اس کا امتحان لیتے تھے۔ دور دور سے اس فن کے لوگ آتے اور ان کو سرود وغیرہ سناتے۔ چونکہ یہ دونوں بھائی سراپردہ ہی کے پاس بحکم شاہی اپنا کام انجام دیا کرتے تھے اس لئے سلطان بھی کبھی کبھی اپنی جگہ ہی سے ان کے گانے یا بجانے سے لطف اندوز ہو لیا کرتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا دربار گانے بجانے کا دربار نہیں تھا۔ مصنف تاریخ داؤدی رقمطراز ہے:[۴۷]

> "اگر بجانے والا یا گانے والا جو فن موسیقی
> میں لاثانی ہوتا تھا۔ پہنچ جاتا تھا تو وہ دربار
> میں گایا نہیں کرتا تھا"

لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت اس فن کی قدر دانی ضرور کرتی تھی شہنائی بجانے والے بھی نوکر تھے۔ جن کی تعداد دس بتائی جاتی ہے۔ جو

---

[۴۷] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۰

باری باری سے ایک پہر رات گذرنے کے بعد حاضر ہو کر شہنائی بجاتے تھے جسکو سرنائی بھی کہتے تھے۔ بقول مصنف تاریخ داؤدی: [۵]

"اس کا حکم صرف چار چیزوں کے بجانے کا تھا۔ پہلے "مالکوس" اس کے بعد "کلیان" اس کے بعد "نگرڑا" اور پھر "حسینی کا نگرڑا"۔"

اس کے علاوہ اور راگوں کا حکم نہیں تھا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے کوئی اور راگ چھیڑ دیا تو سزا کا مستوجب ہوتا تھا۔

سلطان سکندر کی جوہر شناسی

سکندری عہد میں جوہریوں کی بھی بہت قدر تھی۔ سلطان خود بھی جوہر شناس تھا۔ اور بعض امراء تو جوہر شناسی میں جوہریوں سے بھی بڑھ کر تھے۔ جن میں میاں طٰہٰ اس فن میں لاثانی تھے۔ یہ امیر بھی تھے مقرب خاص بھی تھے اور علم و عقل میں بھی کامل تھے۔

سلطان سکندر بنگال کی مہم سے جب صلح کر کے واپس ہوا تو پٹنہ کو زیر کرتا ہوا جونپور آیا۔ اور وہاں کا انتظام کر کے سنبھل آ کر مقیم ہو گیا۔ جہاں اس نے تقریباً چار سال قیام کر کے سیر و شکار و تفریحات میں وقت گزارا۔ اسی اثناء میں اس نے آگرے سے بڑے بڑے جوہریوں کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر دربار ہوئے تو اس نے بطور امتحان ایک مروارید (موتی)، ان جوہریوں کو دیا اور فرمایا کہ ایسا ہی ایک دوسرا مروارید وہ پیش کریں۔ جوہریوں نے ایسا مروارید اپنی عمر میں سب سے

---

[۵] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۶

پہلے دیکھا تھا۔ انھوں نے معروضہ کیا:[۴۹]

"جہاں پناہ! ہندوستان میں اس قسم کا مروارید ملنا محال ہے۔ شاید ملک فرنگ (یورپ) یا ہرمز میں مل جائے۔ کیونکہ وہ مروارید کی جگہیں ہیں۔"

سلطان نے حکم دیا کہ جب تک یہ جوہری ایسا مروارید پیش نہ کریں اُس وقت تک دربار شاہی سے جانے نہ پائیں۔ یہ حکم سننا تھا کہ جوہریوں کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے مبصر جمع ہو گئے۔ لیکن سب مروارید کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اسی ..... عرصہ میں میاں طہٰ سلام کی غرض سے حاضر ہوئے۔ انھوں نے جب یہ ماجرا سنا تو حاضر ہو کر عمداً جوہریوں کے روکے جانے کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے موتی کی فرمائش اور ان کے اظہار مجبوری کا واقعہ سنایا۔ اس پر میاں طہٰ نے بھی موتی کے دیکھنے کی خواہش کی۔ بادشاہ نے وہ موتی میاں طہٰ کو دکھایا۔ میاں طہٰ نے لشرط حکم اس قسم کے موتی کی تلاش اور مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔ سلطان نے فرمایا "ازیں چہ بہتر۔" میاں طہٰ نہ صرف جوہر شناس تھے بلکہ جوہر گر بھی تھے۔ اس لئے وہ موتی اپنے گھر لے آئے اور انھوں نے دوسرا موتی اسی قسم کا تیار کر کے دوسرے روز دونوں موتی بارگاہ سلطانی میں لے جا کر پیش کر دیئے میاں طہٰ نے موتی ایسا بنایا تھا کہ کوئی شخص بھی دونوں میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میاں طہٰ کے عرض کرنے پر سلطان نے جو بہت بڑا جوہر

---

[۴۹] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۹ و ۵۰

شناس تھا ہر چند پہچاننے کی کوشش کی لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ پرانا کون تھا اور نیا کون ہے۔ آخر سلطان نے میاں طٰہٰ سے کہا: ن‌۵۰

دونوں میں فرق نہیں ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ
پرانا کون ہے اور نیا کون ہے۔"

میاں طٰہٰ نے دونوں علیحدہ علیحدہ کر کے بتا دیئے۔ سلطان نے دونوں موتیوں کو جوہریوں کے پاس بھیج کر اُن کی قیمت انکوائی۔ جوہریوں نے بالاتفاق ۲۰ ہزار تنکہ سکندری قیمت بتائی۔ قیمت سن کر سلطان سکندر نے جس وقت یہ حکم دیا کہ "یہ قیمت میاں طٰہٰ کے ملازمین کو حوالہ کر دی جائے۔" تو میاں طٰہٰ نے دست بستہ عرض کیا: ن‌۵۱

"حضور جہاں پناہ کی بدولت فدوی کے
پاس اس قسم کے جواہرات بہت ہیں اس
لئے فدوی قیمت نہیں لے گا۔ سلطان نے
فرمایا اگر تم قیمت نہیں لوگے تو میں تمہارا
موتی نہیں لوں گا۔"

جب نوبت یہاں تک پہونچی تو میاں طٰہٰ نے راز کہہ ڈالا اور عرض کیا:۔

"کہ اس کو فدوی نے خود درست کیا ہے
اس لئے اس پر کچھ خرچ نہیں ہوا۔ میں
اس کے دام کیوں کر لے لوں۔"

ن‌۵۰ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۹، ۵۰
ن‌۵۱ " " " ۵۰

سلطان یہ سُن کر حیران رہ گیا۔ اور اس نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ اس پر کچھ خرچ نہیں ہوا۔ میاں طآ نے عرض کیا کہ خلوت میں عرض کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تمام امُراء کو ہٹا دیا گیا۔ اور صرف سلطان و میاں طآ رہ گئے۔ بقول مصنف تاریخ داؤدی: [۵۲]

"میاں طآ نے ابرک کا یہ موتی بنایا تھا۔
فوراً انھوں نے ابرک کا ایک ایک پرت
علیحدہ کر دیا۔ سلطان نے میاں طآ کا یہ
کمال دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے
بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازا۔"

بیان یہ کیا جاتا ہے کہ میاں طآ صرف جواہرات ہی میں کمال نہیں رکھتے تھے بلکہ "ہر فن مولا" تھے۔ دنیا کا کوئی فن ایسا نہیں تھا جو ان کو نہ آتا ہو۔ چنانچہ سلطان اکثر کہا کرتا تھا:

"ہزار آدمی اہل ہنر از یک ذات میاں طآ است"

غرضکہ ہنر مندی کے میدان میں میاں طآ کے اس قدر محیر العقول کارنامے تھے کہ بعض بعض تو افسانے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مورخین کا قول ہے کہ میاں طآ علم الکیمیا اور علم السیمیا بھی جانتے تھے اور صناعی اور کاریگری میں تو ایسا کمال رکھتے تھے کہ بڑے سے بڑا کاریگر بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ مصنف تاریخ داؤدی کا قول ہے: [۵۳]

---

[۵۱] تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۵۰

[۵۲] " " "

[۵۳] " " " ۵۱

"اس دمیاں طآ، نے ایک بار گل نیلو فرکی شکل کا ایک کرن پھول۔ جس کو ہندو عورتیں کان میں پہنتی ہیں۔ اس انداز کا بنایا کہ اس کے اندر ایک "زنبور" "بھڑ" بنا کر رکھ دی عورت اس کو کان میں پہن کر اگر سر نہیں ہلاتی تھی تو اس پھول کی شکل کلی کے مانند رہتی تھی اور اس کا منہ بند رہتا تھا لیکن سر ہلاتے ہی وہ کلی کھل جاتی تھی اور وہ بھڑ اس کی آنکھوں کے سامنے اڑنے لگتی تھی۔ لیکن جس وقت وہ سر ہلانا بند کر دیتی تھی تو وہ بھڑ پھر اس پھول میں آجاتی تھی اور وہ پھول حسب سابق کلی بن جاتا تھا"

سلطان سکندر کا رحم وکرم اور اُسکی الغزاپروری کی چند مثالیں

سلطان سکندر وہ بادشاہ تھا جو سزا پر رحم وکرم کو مقدم رکھتا تھا حتیٰ کہ جس موقع پر سیاست ملکی کا یہ تقاضہ ہوتا تھا کہ مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جائے اس موقع پر بھی وہ مصلحت بینی اور رحم وکرم کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتا تھا۔ فی الحقیقت اس کے تدبر اور اس کی دور اندیشی نے درباری سازشیوں اور دور دور تک کے امیروں، جاگیرداروں اور راجاؤں کی سازشوں اور بغاوتوں کے لئے میدان تنگ کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے اگر کوئی

اس قسم کا ارادہ بھی کرتا تھا یا ایسے طریقے اختیار کرتا تھا جس سے اس قسم کے ارادہ کی جھلک پائی جاتی تو وہ خود ہی قبل اس کے کہ سلطان تدارک کا اقدام کرے۔ حاضر ہو کر اور اظہار واقعات کر کے یا تو اعتراف قصور کر لیتا تھا اور بے قصور ہوتا تو اپنی صفائی پیش کر کے سلطان کو بھی مطمئن کر دیتا تھا اور خود بھی مطمئن ہو جاتا تھا۔

مثال ۱۱۔ باربک شاہ کی بغاوت

سلطان سکندر کو تخت نشین ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا۔ اور وہ "بیانہ" کو فتح کر کے دہلی واپس آیا ہی تھا کہ اس کے تین روز بعد جبکہ وہ چوگان بازی میں مشغول تھا۔ اس کو جونپور سے یہ اطلاع ملی کہ اس کے بھائی باربک شاہ نے ایک بہت بڑی فوج تیار کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا ہے۔ سلطان نے یہ سنتے ہی اپنا ورزشی کھیل تو موقوف کیا۔ اور اسی وقت اس نے اسمعیل خاں لوحانی کی سرکردگی میں جونپور کی طرف فوج روانہ کر دی اور اس کے بعد خود بھی لشکر لیکر پٹیالی (ضلع ایٹہ) کی طرف چل دیا۔ پٹیالی کا حاکم عیسیٰ خاں مقابلہ میں آ کر زخمی ہوا اور آخر کار مر گیا۔ یہاں سے فراغت پانے کے بعد وہ جونپور کی طرف چل دیا۔ باربک شاہ کو جب معلوم ہوا تو وہ بھی مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے فوج لے کر نکلا۔ اور آخر کار قنوج کے قریب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہو گئی۔ اسی اثنا میں ایک قلندر درویش نے سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: کہ[۵۵]

"تیری فتح ہے" سلطان نے یہ سنکر اپنا

---

[۵۵] تاریخ داؤدی قلمی صفحہ ۱۴۸

ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ قلندر نے کہا" میں تجھ کو فتح کی خوشخبری دے رہا ہوں تو نے ہاتھ کیوں پیچھے کھینچ لیا" سلطان نے کہا کہ" اس وقت دو مسلمانوں کے گروہوں میں جنگ ہو رہی ہے۔ اس لئے یک طرفہ حکم نہیں لگانا چاہیئے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہو وہ ہو۔ بہرحال جس فتح میں بندگان خدا کی بہتری ہو اس کے لئے دعا مانگنی چاہیئے"[1]

غرضکہ باربک شاہ کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ وہاں سے بھاگ کر بدایوں آیا۔ سلطان نے اس کا پیچھا کر کے اس کو وہاں گھیر لیا۔ مجبوراً باربک شاہ نے ہتھیار ڈال دئے۔ سلطان نے اس کے بعد ہی:[2]

" اپنے بھائی کو ہر طرح سے خوش کر کے اپنے ہمراہ لیا اور جونپور لے جا کر اس کو دوبارہ حسب سابق" شرقی تخت" پر بٹھا دیا۔"

مثال ۲: شاہزادہ فتح کے لئے بادشاہت کی سازش

جیسا کہ پچھلے اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے سلطان سکندر نے ایک بار" سنبھل" (ضلع مراد آباد) میں مسلسل چار سال

[2] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۳

قیام کیا۔ منجملہ اور مشاغل علمی تعلیمی اور تفریحی کے اس کو "چوگان بازی" (پولو۔ POLO) کا بے حد شوق تھا۔ اور یہ ورزشی اور سپاہیانہ مشغلہ سنبھل کے قیام کے دوران میں تقریباً روزانہ رہتا تھا۔ کیونکہ وہ اوقات کا اس قدر پابند تھا کہ حتی الامکان وہ اپنے پروگرام میں کبھی فرق نہیں آنے دیتا تھا۔ ایک روز وہ حسب معمول "چوگان" کھیل رہا تھا کہ اتفاقاً سلیمان خاں پسر دریا خاں شروانی کی "چوگان" ہیبت خاں کی "چوگان" سے کچھ اس طرح "ٹکرائی" کہ ہیبت خاں کی چوگان سلیمان خاں کے سر پر لگی اور اس کا سر پھٹ گیا۔ چوگان بازی کے میدان میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سلیمان خاں کے بھائی خضر خاں نے بے سمجھے بوجھے فوراً بدلہ لے لیا اور اپنی چوگان سے ہیبت خاں کا سر پھوڑ دیا۔ سلطان کی موجودگی میں یہ ہنگامہ دیکھ کر خانخاناں اور دوسرے امراء دوڑے اور سمجھا بجھا کر ہیبت خاں کو اپنے گھر لے گئے۔ چار روز کے لئے چوگان بازی بند کر دی گئی۔ چوتھے روز پھر سلطان یہ سمجھ کر کہ چونکہ یہ واقعہ غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا اس لئے وہ آپس میں گلے مل لئے ہوں گے۔ چوگان بازی کے لئے نکلا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ ہیبت خاں کے ایک عزیز شمس خاں نامی نے چوگان لئے ہوئے غصہ میں بھرا کھڑا تھا۔ سلیمان خاں کے بھائی خضر خاں کو دیکھتے ہی اس کے چوگان ماری۔ سلطان نے اتفاق سے اس کی اس حرکت کو دیکھ لیا اور اس نے اس کو بلا کر خوب تنبیہہ کی۔ اور وہ بغیر کھیلے ہوئے اپنے محل کو واپس چلا آیا۔ اس قصہ نے اتنا طول کھینچا کہ افغانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ جن میں سے ایک

گروہ سلطان کے خلاف سازش کرنے لگا۔ سلطان کو اس کا علم ہوگیا لیکن اس نے اس کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا البتہ اپنی حفاظت کی کل تدابیر کرلیں اور اس گروہ سے وہ بدظن ہوگیا۔ درپردہ یہ گروہ کوشش کرنے لگا کہ اس کے ساتویں بھائی شہزادہ فتح خاں کو تخت نشین کرادے اور سلطان سکندر کو معزول۔ اس کام کے لئے ان چند لوگوں نے جن کا یہ گروہ تھا آپس میں قسمیں کھا کر عہد بھی کر لیا اور اپنے اس ارادہ سے انھوں نے فتح خاں کو مطلع کیا۔ فتح خاں جانتا تھا کہ سلطان سکندر سخت گیر بھی ہے اور نرم دل بھی۔ مدبر بھی ہے اور سپاہی بھی۔ اس لئے اس سازش کا ذکر سب سے پہلے اپنی ماں اور شیخ ظاہر سے کیا اور ان بداندیشوں کے نام بھی بتا دئے۔ دونوں نے یہ سن کر فتح خاں کو ساری اونچ نیچ سمجھائی۔ کیونکہ یہ دونوں بھی سلطان سکندر کی طبیعت سے واقف تھے۔ اور فتح خاں کو اس ارادہ سے باز رکھتے ہوئے اس اس کو یہ مشورہ دیا کہ وہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ سارا واقعہ بیان کردے تاکہ ان بداندیشوں کی حرکتوں سے اس پر آنچ نہ آنے پائے۔ فتح خاں کی سمجھ میں یہ مشورہ آگیا اور اس نے بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوکر تفصیلاً سارا واقعہ بیان کردیا سلطان نے یہ سن کر بطور خود اس کی تحقیقات کی۔ چنانچہ جب اِس سازش کی حقیقت اس پر پوری پوری کھل گئی اس وقت اس نے مشورہ کرکے ان تمام سازشی امیروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور ان کو مختلف جاگیروں میں متعین کردیا۔ اس طرح فتنہ بھی

نہ ہونے پایا جو یقیناً قتل و خون کا سبب بن جاتا اور شہزادہ فتح خاں بھی مطمئن ہو گیا۔

سلطان سکندر کے ۲۸ سالہ حکومت میں اس کے خلاف صرف اسی ایک ناکامیاب سازش کا پتہ چلتا ہے۔ ورنہ اس کے تمام اُمراء و جاگیردار و عہدیدار ہمیشہ اس کے مطیع و فرمانبردار رہے اور کبھی کسی نے بغاوت نہیں کی۔

مثال ۳۔ شاہزادہ جلال خاں کا جاہ و حشم اور سلطان کی بدگمانی

شہزادہ جلال خاں کالپی کا حاکم تھا۔ اول تو شاہزادہ پھر ایک بڑے علاقہ کا حکمران اس کے علاوہ شاہی فوج۔ بالخصوص سکندری فوج۔ کی تنظیم دیکھ چکا تھا۔ اس نے ایک زبردست فوج کی نہایت اچھی تنظیم کی تھی سلطان نے بارادہ تسخیر قلعہ "نرور" اس کو حکم دیا:[۵۶]

"نرور[۵۷]، جاکر قلعہ کا محاصرہ کرو۔ اگر قلعہ والے صلح کرنی چاہیں تو مصالح کو ہاتھ سے نہ کھونا۔"

یہ حکم اس نے نواح گوالیار کو فتح کرنے کے دو سال بعد ۹۱۳ھ میں شہزادہ جلال خاں کو بھیجا۔ شہزادہ جلال حکم پہونچتے ہی اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچ گیا اور جاتے ہی اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کو محاصرہ کئے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے

---

[۵۶] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۵۵۔ طبقات اکبری جلد اول۔ صفحہ ۳۲۸

[۵۷] علاقہ مالوہ میں یہ انتہائی مستحکم قلعہ تھا۔

تھے کہ پیچھے سے سلطان سکندر خود بھی نہایت تیزی سے اس کی مدد کے لئے وہاں پہونچ گیا۔ دوسرے روز سلطان فوجیوں کے معائنہ اور قلعہ کے استحکام کو دیکھنے کے لئے نکلا۔ اس وقت جلال خاں نے سلطان کو اپنی فوجی تنظیمی اہلیت اور صلاحیت دکھانے کے لئے اپنے لشکر کی پیادہ فوج۔ سوار فوج اور ہاتھیوں کی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے سلطان کے راستے میں الگ الگ صف بہ صف کھڑا دیا تاکہ لشکر کی تنظیم کو سلطان بھی تفصیلاً دیکھ لے۔ اور سپاہ بھی روبرو ہو کر سلامی کی عزت حاصل کر لیں۔ شاہزادہ کو یہ کیا معلوم تھا کہ۔ ؏

"اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی"

کا وہ مصداق ہو جائے گا اور یہ فوجی تنظیمی مظاہرہ بجائے خوش کرنے کے سلطان کو اس کی طرف سے بدگمان کر دے گا۔ بہرحال یہ جاہ و حشم دیکھ کر بہ تقاضائے بشریت سلطان کے دل میں جلال خاں کی طرف سے بدگمانی ضرور پیدا ہوئی۔ اور اس لئے اس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے جلال خاں کو ختم کر دیا جائے اور اس کے لئے اس نے بعض اُمرائے ذی وقار مثلاً ملک آدم کاکڑ و سلیمان فرملی وغیرہم کو اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا تھا۔ کیونکہ اس نے اس نے یہ سمجھ لیا تھا جو یقیناً غلط نہیں ہو سکتا تھا کہ اگر اس کو اور اس کی طاقت کو نہ توڑا گیا تو ایک نہ ایک دن یہ سلطنت کا دعوے دار ضرور ہو جائے گا۔

سلطان نے یہ حکم دے کر آگرہ کا رخ کیا۔ شاہزادہ جلال کو

ان احکام شاہی اور شاہی بدگمانی کا علم ہوگیا تھا۔ لہذا اس نے سلطان کی چچی کے دامن میں پناہ لی۔ سلطان کی چچی نعمت خاتون سلطان بہلول کے چچازاد بھائی قطب خاں پسر اسلام خاں کی بیوہ شاہزادہ جلال خاں کو ساتھ لے کر سلطانی لشکر سے راستہ ہی میں آملی۔ اس آنے کا منشا اس کے سوائے کیا ہو سکتا تھا کہ سلطان کے دل میں جو شاہزادہ کی طرف سے بدگمانی ہوگئی تھی وہ اس حاضری سے جو وفاداری اور اطاعت شعاری کو ظاہر کرتی تھی۔ جاتی رہے۔ چنانچہ جب سلطان کو چچی اور بھائی کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ خود ان کے پاس گیا اور ان کو اپنی طرف سے اطمینان دلاتے ہوئے علاقہ کالپی کو اپنے بھائی کی جاگیر ہی میں دے دیا اور بوقت رخصت مزید اطمینان دلانے کے لئے بقول تاریخ داؤدی :[۵۸]

"خلعت اور نقدی کے ساتھ ایک سو
بیس گھوڑے اور پندرہ ہاتھی مرحمت
فرما کر چچی اور بھائی کو کالپی روانہ کیا
اور خود آگرہ روانہ ہوگیا۔"

اس شاہی عمل سے گویا اس بات پر مہر لگ گئی کہ سلطان نہ تو اس کو بداندیش سمجھے گا اور نہ غدار۔ یہ تھا سلطان سکندر کا رویہ جو اس کا امراء اور اعزا کے ساتھ تھا۔ وہ سزا دینے کی بجائے احسان کر کے مطیع کیا کرتا تھا۔ چنانچہ کہا کرتا کہ ؎

مردمی کن کہ مردمی کردن ٭ مرد آزاد را کند بندہ

---

[۵۸] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۵۶

اپنے عزیزوں اور بھائیوں کے ساتھ اس نے ہمیشہ عزیزانہ اور برادرانہ سلوک کیا۔ اُمراء کے ساتھ مربیانہ برتاؤ کیا۔ اور اپنے باپ کے زمانہ میں امیروں کا وہی احترام کیا جس کے وہ لائق تھے۔ یہی وہ گر تھا جس نے کہ اس کی سلطنت کو مستحکم تر کیا۔ یہی وہ نسخہ تھا۔ جس نے دشمن کو مطیع کیا اور مطیع کو دشمن نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے امُراء جو بہادری اور مردمی میں بے نظیر تھے اس پر جان قربان کیا کرتے تھے۔ اس کے عہد میں افغان امیروں کی تعداد جو اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ بے اندازہ تھی۔ اور یہ اس لئے کہ وہ افغان اور اپنے قبائل کے لوگوں کو بہت ہی نوازتا تھا۔

سکندری ملکی تنظیم سلطان سکندر اگر ایک طرف لڑائیاں لڑتا تھا۔ جو یقیناً اس کے عہد میں نسبتاً بہت ہی کم ہوئیں۔ تو دوسری طرف ملک کی ہر جہتی تنظیم سے بھی غافل نہیں رہتا تھا۔ خواہ وہ تنظیم معاشرت سے ہو یا دین سے۔ تعلیم سے متعلق ہو یا تمدن سے۔ شہری آبادی سے متعلق ہو یا دیہی آبادی سے۔ ملک کے محتاجوں اور مستحقوں کو اپنی خوش انتظامی سے ایسا بے نیاز کر دیا کرتا تھا کہ وہ امن و اطمینان کی زندگی گزارتے تھے۔ بیگار کا قاعدہ تو یہاں تک ختم ہو گیا تھا کہ بقول مصنف تاریخ داودی:۔

"پرگنوں[۵۹] کے دیہاتوں میں کوئی پیادہ بھی
ایک چارپائی اور ایک برتن تک مفت

[۵۹] تاریخ داودی۔ صفحہ ۳۵

اور زبردستی نہیں لے سکتا تھا۔"

اس کے فرمان تین قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جو عمومی انتظام سے متعلق ہوتے تھے۔ دوسرے وہ جو خصوصی انتظام کے حامل ہوتے تھے۔ تیسرے وہ جو بہ صیغۂ "راز"۔ امیروں کی ذات سے متعلق ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی "فرمان" کسی امیر کے نام بھیجا جاتا تھا تو وہ امیر یا جاگیردار یا عہدیدار سرکار فرمان کی آمد سنتے ہی۔ جس کی اطلاع کے وسائل کا پورا پورا انتظام تھا۔ اپنے مستقر سے "دو تین کوس" چل کر اس فرمان کی پیشوائی کرتا تھا۔ اور اسی جگہ پر ایک چبوترہ بنوایا جاتا تھا جس پر فرمان لانے والا آکر کھڑا ہوتا تھا اور یہ امیر چبوترہ کے نیچے کھڑے ہو کر نہایت ادب کے ساتھ دونوں ہاتھ میں فرمان لے کر سر پر رکھتا تھا۔ پس اگر یہ حکم ہوتا تھا کہ "فرمان" اسی وقت پڑھا جائے تو وہ اسی وقت سب کو پڑھ کر سناتا تھا۔ اور اگر یہ حکم نہیں ہوتا تھا تو وہ اس کو گھر پر لے آتا تھا اور یہاں اپنے مخصوص و محدود قلعہ میں اس کو پڑھتا تھا۔ اور اگر "راز" کا حکم ہوتا تھا تو وہ اسی طرح سے تعمیل کرتا تھا۔ غرضیکہ یہ تینوں قسم کے فرمان موقع موقع سے امرائے ملک اور جاگیرداروں و عہدیداروں کے نام جاری ہوتے تھے اور وہ ان کی تعمیل کرتے تھے۔

سپہ سالار مسعود غازی کا جھنڈا!! اور سلطان سکندر کے احکام مخالفت

سپہ سالار مسعود غازیؒ کا جھنڈا زمانہ قدیم سے ملک کے متعدد شہروں سے ہر سال بہرائچ کے مزار پر چڑھانے کے جایا کرتا تھا۔ اس نے اس رسم

کی حکماً ممانعت کی اور اس رواج کو بالکلیہ ختم کر دیا۔

عورتوں کو مزاروں پر جانے کی ممانعت

اسی طرح سے عورتوں کی مزارات پر جانے کی قطعی ممانعت کر دی تھی۔ کیونکہ شرعاً یہ فعل قبیح تھا۔

روزنامچہ جات اور نرخنامہ جات کی تنظیم

تمام ملک سے اشیاء کے نرخنامہ جات اور واقعات کے روزنامچہ جات بالالتزام آیا کرتے تھے اور ان سب کو وہ بالتفصیل سنا کرتا تھا۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ معمولی سی معمولی بھی اگر اس میں تبدیلی ہوتی تھی تو وہ فوراً اس کی گرفت کرتا تھا۔ اور اسی وقت فرمان جاری کر کے اس کا تدارک کیا کرتا تھا۔

ڈاک چوکی اور خبر رسانی کی تنظیم

ذریعہ خبر رسانی کو اس وقت کی اصطلاح میں "ڈاک چوکی" کہا اور لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ سلطان سکندر نے ممالک محروسہ میں اس کی بھی تنظیم کی تھی۔ اور اس خوبی سے کی تھی کہ ہر بات کی اطلاع اس کو ہر وقت ملتی تھی اور ہر فرمان اور ہر حکم امیروں اور جاگیرداروں کو بلا تاخیر بروقت پہنچتا تھا۔ حتیٰ کہ مہم کے اوقات میں بعض اوقات پانچ سو میل تک اس کے فرامین روزانہ ایک صبح اور ایک شام پہنچا کرتے تھے۔ جن میں فوجوں کی نقل و حرکت کی تفصیلی ہدایتیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ مصنف تاریخ داودی رقمطراز ہے: [56]

---

[56] تاریخ داودی۔ صفحہ ۵۵

سلطان سکندر کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کبھی وہ
لشکر کو دور دراز مقام کے لئے نامزد کرتا تھا
تو ہر روز اس لشکر کے لئے دو فرمان جاری
کرتا تھا۔ یعنی ایک صبح اور ایک شام۔ صبح
کے فرمان میں اس لشکر کی نقل و حرکت
کے لئے یہ ہدایت ہوتی تھی کہ "فلاں جگہ
سے کوچ کر کے فلاں جگہ مقام کرو۔" اس میں
مقام کا نام و نشان درج ہوتا تھا۔ دوسرا
فرمان شام کو پہنچتا تھا اس میں بھی اسی قسم کی
ہدایت ہوتی تھی۔ بہر حال اگر لشکر پانچ سو
کوس پر بھی ہوتا تھا جب بھی اس ضابطہ میں
فرق نہیں آتا تھا۔ اس کام کے لئے "ڈاک چوکی"
کے گھوڑے ہر سرائے میں تیار رہتے تھے۔"

اسی طرح سے اس نے خبر رسانی کے لئے ہر جگہ آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ جو اس کو ہر چھوٹی سی چھوٹی بات کی اطلاع۔ خواہ رعایا سے متعلق ہو یا سپاہی اور امیر سے، اس طرح سے بر وقت پہنچاتے تھے کہ کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے بعض لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ سلطان کے قبضے میں جنات ہیں جو اس کو ایسی جزئیات کی اطلاع کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ اس کی روشن ضمیری اور کرامت کے قائل ہو گئے تھے۔

چنانچہ مصنف تاریخ داؤدی ناقل ہے :۔ [۱]

ایک رات موسم برسات میں بھیکن خان
لودھی اپنے بالاخانے کے صحن میں سو رہا تھا
آدھی رات کو یا پچھلی رات کو بارش ہونے لگی
اس وقت کوئی ملازم وہاں موجود نہ تھا بھیکن
خان نے اپنے گھر والوں سے اپنا پلنگ اٹھوا
کر اندر کیا۔ دوسرے روز جب سلطان
مذکور تسلیم کے لئے حاضر ہوا تو سلطان نے
دیکھتے ہی اپنے دوسرے مقرب میاں بھوا
سے کہا کہ ایسے بڑے امیر کے پاس رات
کو کوئی ملازم نہیں ہوتا ہے اور یہ خود ہی اپنا
پلنگ باہر سے اندر لے جاتے ہیں۔

اسی قسم کے بہت سے واقعات اس کے متعلق مورخین نے لکھے ہیں۔ جو اس بات کی بین دلیل ہیں کہ اس نے ملک کی تنظیم بدرجہ اتم کر رکھی تھی۔ اور خبر رسانی کے اس جال نے اس کو ملک کے گوشے گوشے کے حالات سے اس حد تک باخبر کر رکھا تھا کہ امرا کے اندرونی حالات کا بھی اس کو علم ہو جایا کرتا تھا۔ یہی وہ مکمل تنظیم تھی جس کی وجہ سے ملک میں سازشی ریشہ دوانیوں کا ایک حد تک قلع قمع ہو چکا تھا۔

سکندری عہد کے بعض حیرت انگیز واقعات

بعض ایسے حیرت انگیز

[۱] تاریخ داؤدی صفحہ ۵۷

واقعات مورخین نے لکھے ہیں جو واقعی عقل و فہم میں مشکل سے آتے ہیں۔ اور اسی لئے ایک طبقہ سلطان کی کرامت کا قائل ہے اور دوسرا طبقہ اس قسم کے واقعات کو افسانہ قرار دے کر مورخ کو ہدف ملامت بناتا ہے اور ان کی تاریخ نویسی پر حرف لاتا ہے اجمالاً ان واقعات کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱ شیخ حاجی عبدالوہاب اس زمانہ کے ایک بزرگ عالم باعمل تھے جو سلطان کو وقتاً فوقتاً نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ یہ ایک زمانہ میں حج کو گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ جس روز وہ واپس ہوکر ہندوستان کی سرزمین پر جہاز سے اترے سلطان نے اُسی روز آگرہ میں میاں شیخ لاڈن دانشمند سے۔ جو سلطان کے پیش امام تھے۔ فرمایا[۱]

"آج حاجی عبدالوہاب جہاز سے اترے ہیں"

شیخ لاڈن دانشمند نے فوراً وہ تاریخ لکھ لی اور جس روز حاجی عبدالوہاب آگرہ پہونچے تو شیخ لاڈن نے اس تاریخ کی تصدیق چاہی۔ جس کی انھوں نے تصدیق کی۔

۲ سلطان نے اعظم ہمایوں کو ایک زبردست لشکر دیکر "ٹھٹھ" کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اس عرصہ میں ستر روز تک ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی۔ ایک روز سلطان نے ان کے بیٹے فتح خاں سے اعظم ہمایوں کے متعلق دریافت کیا اس خیال سے کہ شاید اس کو کوئی اطلاع ملی ہو۔ اس نے پریشان ہوکر جواب

---

۱ تاریخ داؤدی صفحہ ۵۸

دیا۔[۶۳]

"آج ستر روز ہو چکے ہیں کہ کوئی خبر نہیں آئی"۔

سلطان نے جواب میں فرمایا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ آج وہ "دتیراگ" سے واپس ہوا ہے اور چند روز میں اپنے ملک میں پہنچ جائے گا"۔

اس کے ساتھ ہی فتح خاں کو ایک لاکھ تنکہ بھیجکر کہلا بھیجا:۔

"میں نے یہ نذر مانی تھی کہ جس وقت مجھکو اعظم ہمایوں کی خیریت معلوم ہو جائے گی میں ایک لاکھ تنکہ خیرات کروں گا۔ تو اس رقم کو فقیروں کو دے دے"

اس رقم کے علاوہ ایک لاکھ تنکہ دربار شاہی میں فقیروں کو دیا گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جو کچھ سلطان نے کہا تھا اسی مضمون کا خط اعظم ہمایوں کے پاس سے آگیا۔

۲۷۔ ایک بار شاہی اصطبل سے گھوڑا چوری ہو گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد دھولپور کے نزدیک محمد زیتون شقدار (کلکٹر) آگرہ کی کوشش سے گھوڑے سمیت چور پکڑا گیا۔ چور شاہی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ تین روز کے بعد دربار عام میں جبکہ سلطان برآمد ہونے ہی کو تھا خانخاناں لودھی نے کوتوال سے کہا کہ "چور کو آخر یہاں کیوں بند کر رکھا ہے۔ اس کو لے جاکر قتل کر دو۔" ابھی خانخاناں

[۶۳] تاریخ داؤدی صفحہ ۵۸

کے حکم کی تعمیل ہونے بھی نہ پائی تھی کہ سلطان برآمد ہوا اور اس نے آتے ہی خانخاناں کو متوجہ کر کے فرمایا:-[۶۷]

"چور کے قتل کے دو مواقع ہوتے ہیں ایک اس وقت جبکہ چور کسی گھر میں چوری کر رہا ہو اور گھر والوں میں سے کسی کی آنکھ کھل جائے اور وہ اس کو قتل کر دے تو ٹھیک ہے۔ دوسرا اس وقت جبکہ اس کو مال سمیت پکڑا جائے۔ اب جبکہ وہ بارگاہ سلطانی میں آچکا ہے جو فی الحقیقت دارالامان ہے اور میں اس سے اپنا مال لے چکا ہوں۔ اس موقع پر اس کے قتل کا حکم دیتے ہو۔ عجیب قسم کے مسلمان ہو۔"

خانخاناں یہ رحمدلانہ اور عادلانہ تقریر سُن کر سخت نادم ہوئے اور دست بستہ انھوں نے عرض کیا:-[۶۸]

"جہاں پناہ صاحب کمال ہیں۔ کیونکہ حضور نے اپنی روشن ضمیری سے یہ بات معلوم کر لی ورنہ میں نے تو صرف نگراں سے ایک جملہ کہا تھا۔"

---

[۶۷] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۶۱

[۶۸] " " "

سکندری عہد میں شہری ترقی

سلطان سکندر کا شہروں کی ترقی میں بھی بہت بڑا حصہ ہے یوں تو قدیم شہر اس کی توجہ کے مرکز تھے ہی۔ لیکن سنبھل اور آگرہ اپنی شہریت میں اسی کے ممنون احسان ہیں۔ سنبھل اس کے زمانے میں کافی بڑا شہر ہو گیا تھا لیکن افغانی سلطنت کے خاتمے سے اس کی اہمیت کم ہو گئی۔ ورنہ سلطان سکندر کے زمانے میں دہلی کے برابر اس کو اہمیت حاصل تھی۔ سلطان سکندر کا چونکہ زیادہ تر قیام آگرے میں رہتا تھا۔ گویا پائے تخت وہی تھا۔ اس لئے آگرے کو مرکزیت کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ورنہ مرکزیت تو علیحدہ چیز ہے آگرہ اس سے قبل ایک معمولی گاؤں تھا اور بقول مصنف تاریخ داؤدی:[۱]

> اہل ہند کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ
> راجہ کرشن کے زمانے میں۔ جن کی راجدھانی
> متھرا میں تھی۔ آگرہ ایک گڑھی تھی جس میں
> راجہ ان لوگوں کو قید کر دیتا تھا جن سے
> وہ ناراض ہوتا تھا۔ ایک عرصے تک یہی طریقہ
> جاری رہا۔

آگے چل کر وہی مورخ اسباب کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جس وقت سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو آگرہ اس قدر برباد ہوا کہ ایک نہایت چھوٹا سا گاؤں ہو گیا تھا۔ البتہ بقول مورخ موصوف[۲]

---

[۱] تاریخ داؤدی، صفحہ ۳۷

[۲] ” ” ”

"سکندری عہد میں پھر آگرے نے ترقی کی اور اس میں رونق ہوئی۔ یہانتک کہ اکبر بادشاہ کے زمانے سے آگرہ دہلی کے بادشاہوں کا پایۂ تخت قرار پایا اور وہ ہندوستان کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہو گیا۔"

سکندری عہد کی جنگیں اور فتوحات

سکندری عہد کی ۲۸ سالہ حکومت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر اس کی جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو نسبتاً بہت کم ہیں۔ اور اس کا سبب یہی ہے کہ بقول مورخین وہ اس ملک پر قانع رہا جو اس کے باپ نے اس کے لئے چھوڑا تھا۔ اور "در بنار اقلیم دگر" کے اصول پر نہ چلا۔ اب جو کچھ لڑائیاں اس کو لڑنی پڑیں وہ صرف ان باجگذار امراء اور جاگیرداروں سے لڑنی پڑیں جنھوں نے یا تو علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور یا اس کا ارادہ کیا تھا۔ البتہ بعض لڑائیاں ایسی بھی ہوئیں جو دوسرے حکمران کے مقابلے میں لڑنی پڑیں اور ان میں یا تو اس کو کامل فتح ہوئی اور یا فریقین میں مصالحت ہو گئی۔

شاہزادگی کے زمانے کی پہلی جنگ اور فتح

سلطان بہلول نے اپنے امراء کو بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں جہاں وہ لوگ خود مختارانہ حکومت کرتے تھے۔ انھیں امیروں میں سے تاتار خاں اور ہیبت خاں نامی دو بڑے نامی گرامی امیر تھے۔ جنھوں نے بغاوت کر کے اپنی جاگیروں کے ارد گرد جو دیوانی

(خالصہ) تھا اس میں سے چند جگہوں پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ اسی زمانے میں شاہزادہ نظام خان (بعد میں سلطان سکندر) پانی پت میں متعین تھا اور اس نے بعض امیروں کے چند دیہات جو پانی پت کے اردگرد تھے اپنی جاگیر میں شامل کر لئے تھے۔ ان امیروں نے سلطان بہلول کی خدمت میں معروضہ بھیج کر شاہزادے کی اس زیادتی کی شکایت کی۔ شاہزادہ نظام کی سرکار کا دیوان خوجگی شیخ سعید قرملی تھا جو نہایت دانشمند۔ عالم اور مدبر تھا۔ اور شاہزادہ کا آتالیق بھی تھا۔ کیونکہ جس وقت شاہزادہ نظام خان کو اس جاگیر کا انصرام و انتظام سپرد کیا گیا تھا تو وہ کمسن تھا۔ اس لئے خوجگی شیخ سعید قرملی کو سلطان نے اس کا دیوان مقرر کر دیا تھا۔ اسی طرح سے دوسرے چند پرانے لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ بہر حال سلطان بہلول نے سمجھ لیا کہ یہ زیادتیاں صرف شیخ سعید کے مشورے ہی سے ہو رہی ہیں اس لئے سلطان نے شیخ سعید قرملی کے نام فرمان بھیج کر لکھا:[۷۹]

"شاہزادہ یہ کام صرف تمھارے ہی مشورے اور تمھاری ہی رائے سے کر رہا ہے۔ اگر تم میں کچھ مردانگی ہے تو تاتار خاں کے علاقے پر قبضہ کرو۔ ہمارے علاقے کو جو تم غارت کر رہے ہو اس میں کیا مردانگی ہے۔"

شیخ سعید انتہائی سمجھدار اور موقع شناس آدمی تھا۔ اس کی دانشمندی اس کے ہمیشہ ہمرکاب رہتی تھی۔ چنانچہ یہ فرمان لئے

---

[۷۹] تاریخ داؤدی صفحہ ۲۹

ہوئے شیخ سعید شاہزادے کے پاس گیا اور کہنے لگا:۔

"بادشاہی آپ کو مبارک ہو۔"

فرمان سے یہ دور رس مطلب نکالنا صرف شیخ ہی کا کام تھا اور جو مطلب اس نے نکالا وہ غلط بھی نہ تھا۔ کیونکہ کسی زمانے میں بادشاہت کے لئے پورا سپاہی ہونا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ یہ فرمان بادشاہت کے امتحان کے لئے ایک اہم مضمون کا گویا "پرچہ" تھا۔ بہر حال شیخ سعید کی زبان سے مبارک باد سن کر شاہزادہ گھبرا کر بولا "خیر تو ہے" کیونکہ اس کو غالباً باپ کی وفات کا وہم ہوا۔ شیخ نے اطمینان دلا کر کہا:۔

"سب خیریت ہے۔ لیکن حضور سلطان بہلول نے خود ہی آپ کو بادشاہی سونپی ہے۔"

شاہزادے نے یہ سن کر ذریعۂ معلومات کے متعلق پوچھا۔ اس نے اس کے جواب میں شاہی فرمان کھول کر سامنے رکھ دیا۔ شاہزادہ نے اس کو پڑھا۔ اس میں کہیں بادشاہی کا تذکرہ نہیں تھا۔ بلکہ بادشاہ نے تو طنز کیا تھا۔ شاہزادے نے اس کو پڑھ کر کہا:۔ [۵۸]

"عجیب قسم کی بادشاہی دے رہے ہو"

اس پر شیخ قرملی نے واضح طور پر شاہزادے کو اس طرح سمجھایا۔

"بادشاہی کسی کو مفت نہیں مل سکتی جس کام کے لئے جہاں پناہ نے آپ کو حکم دیا ہے اگر یہ کام آپ نے کر لیا تو بادشاہی آپ کے

---

[۵۸] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۲۹

لئے یقینی ہے۔ اس لئے کہ جب بادشاہ اپنی زندگی میں اس مہم کے لئے آپ کو حکم دیتا ہے جو اُسے خود کرنا چاہیئے تو یقیناً یہ اشارہ بادشاہت ہی کے لئے ہے..... لہذا اٹھئے اور قسمت آزمائی کیجئے۔ کیونکہ

ملک بہ میراث نہ گیرد کسے ٭ تا نزند تیغ دو دستی بسے

غرضکہ شاہزادہ نے اس مشورے کو مانا اور اس مہم کے لئے تیار ہو گیا۔ اس وقت پانی پت میں اس کے ساتھ پندرہ سو سوار تھے اور اسی قدر اس کے اپنے نوکر تھے۔ ان سب سپاہیوں کو جمع کر کے اپنے فوجی مشیروں سے جو خوجگی شیخ سعید قرلی میاں حسین بن خوجگی شیخ سعید قرلی۔ دریا خاں پسر مبارک خاں عمر خاں شروانی۔ ابراہیم خاں پسر عمر خاں شروانی تھے۔ اس بارے میں مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ تاتار خاں کی سرکوبی کے لئے سرہند کے نواحی پرگنات پر چڑھائی کر دینی چاہیئے۔ چنانچہ اس قرارداد کے بعد یہ مختصر لشکر نوجوان شاہزادے کی سپہ سالاری میں اس طرف چل دیا۔ تاتار خاں بھی بے خبر نہیں تھا۔ اس لئے مقابلے کے لئے وہ بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ نکلا۔ چنانچہ انبالہ کے پرگنہ میں دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ شاہزادے کے ساتھ گو جماعت تعداد کے اعتبار سے مختصر تھی مگر قوت اور ہمت میں بڑھی چڑھی تھی اور وہ سب مرد میدان تھے۔ آگے۔ آگے گھوڑے پر شیخ سعید قرلی

تھے۔ لیکن بار بار وہ مڑ کر شاہزادے کی طرف دیکھے جاتے تھے۔ شاہزادے نے اشارے سے بار بار دیکھنے کا سبب پوچھا تو شیخ قرملی نے قریب آ کر عرض کیا:۔[۸۱]

"میں آپ کے گرد و پیش چالاک اور بہادر جوانوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر یہ خیال کر رہا ہوں کہ اگر آپ کی سرداری مضبوط رہی تو اُمید فتح ہے۔ اگر کچھ اور صورت پیدا ہو جائے تو آپ کو اختیار ہے۔ لیکن جن کو آپ نے جمع کیا ہے ان غلاموں کی محنت و مشقت ضرور ملاحظہ فرمائیں کہ یہ کیسا اور کیونکر کام انجام دیتے ہیں۔ اگرچہ تاتار خاں کے ساتھ پندرہ ہزار سوار ہیں لیکن ان غلاموں کی مانند دس بھی نہیں ہوں گے۔"

جرأت اور ہمت و استقلال کا یہ سبق پڑھا کر شیخ قرملی نے شاہزادہ کو تصویر کے دوسرے رخ سے بھی واقف کرایا اور کہا:[۸۲]

اگر خدا کے حکم سے اس جماعت کو کامیابی ہوگی فہو المقصود۔ ورنہ آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں کوئی آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔

---

[۸۱] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۰

[۸۲] " " "

یہ کہہ کر گویا شیخ نے شاہزادے کو جان کے خطرے کی طرف سے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ محض اس لئے کہ یہ بچہ ہے شاید اس مہم میں اپنے گردوپیش، قتل وخون کو دیکھ کر گھبرا جائے۔ اس لئے شیخ کی زبان سے یہ جملے سنکر وہ ہنسا اور نہایت استقلال سے اُس نے جواب دیا۔ سے

"میں تو تمھارے گھوڑوں کے پیر زمین پر دیکھتا ہوں اور اپنے گھوڑے کو سینے تک دھنسا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ میں بھلا کہاں جاؤں گا۔"

یہ جواب سنتے ہی شیخ گھوڑے سے کودا اور شاہزادہ کے داہنے ہاتھ کو پکڑ کر کہنے لگا:۔ سے

"فتح کا نشان یہی ہے کہ سردار لشکر ایسا مستقل مزاج اور باہمت ہو۔"

غرضکہ دونوں طرف صف بندی ہوئی۔ شاہزادہ کی طرف سے سب سے پہلے دریا خاں صرف تیس جوانوں کو لے کر نکلا اور دوسری طرف سے پانچ سو جوان نکلے۔ دونوں میں جان توڑ مقابلہ ہوا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ آخر تاتار خان کی اتنی بڑی جماعت کو ان تیس (۳۰) جوانوں نے نیچا دکھا دیا اور وہ اپنے لشکر کی طرف شکست کھا کر بھاگ گئے۔ دریا خاں بھی کامیاب وکامراں واپس آگیا۔ اس طرح سے تین بار دوسری جانب سے

سے تاریخ داودی۔ صفحہ ۳۰

سے " " "

پانچ پانچ سو کا جتھا آیا اور دریا خاں کے جوانوں سے منہ کی کھاکر واپس ہوا۔ اس کے بعد پھر کوئی ادھر سے نہ نکلا۔ اس وقت دریا خاں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔[۵۸۵]

"ہماری ہمت اور ہمارے آقا کے اقبال
نے یہ کام کرکے دکھایا۔ اب تم لوگ یہیں
ٹھہرو۔ میں تنہا حملہ کروں گا۔"

غرضیکہ دریا خاں نے تین بار حملہ کیا اور دشمن کو نقصان پہنچاکر صحیح و سلامت اپنی جگہ پر واپس آیا۔ اس کے بعد میاں حسین پسر خوجگی شیخ سعید قرملی ستر سوار لے کر نکلا اور تاتار خاں کی طرف سے پندرہ سو سوار نکلے اور انہوں نے میاں حسین پر تین مرتبہ حملے کئے۔ لیکن دریا خاں کی طرح اس کو بھی تینوں دفعہ فتح ہوئی اور میاں حسین تینوں بار صحیح و سلامت اپنے لشکر میں واپس آیا۔ اس کے بعد عمر خاں شروانی کی باری آئی اور اس نے پانچ سو سوار ساتھ لے کر شاہزادہ سے اجازت چاہی۔ اس کے بعد میاں حسین اور دریا خاں کے کارناموں کی تحسین و تعریف کرکے میدان میں نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اس کا لڑکا ابراہیم خاں گھوڑے پر سوار باپ کے سامنے آیا اور اس نے اپنے باپ کو شرع شریف اور شاہزادہ کے نمک کی قسم دلاتے ہوئے میدان میں جانے سے روکا اور کہا:۔[۵۸۶]

"جس طرح آپ نے دریا خاں پسر مبارک

---

[۵۸۵] تاریخ داودی۔ صفحہ ۱۳۰
[۵۸۶] " " ۱۳۱

خان اور میاں حسین پسر خوجگی کے کارنامے
دیکھے۔ اب اپنے لڑکے کا تماشہ ملاحظہ فرمائیے"
ابراہیم خاں کو باپ نے یہ کہہ کر سمجھایا کہ "ہم سب لوگ اسی کام کے لئے یہاں کھڑے ہیں"۔ لیکن ابراہیم خاں نے نہ مانا اور کہا کہ "انبوہ میں کچھ پتہ نہیں مل سکتا ہے۔ الگ الگ دیکھنا چاہئیے" یہ کہہ کر اس نے گھوڑا بڑھا دیا اور دس پندرہ ہزار کے مجمع میں تنہا گھس گیا۔ اور وہ تلوار کے جوہر دکھائے کہ دشمن کے کئی آدمی کام آگئے اور خود صحیح سلامت واپس آگیا۔ باپ نے بیٹے کی یہ بہادری دیکھ کر تکبیر کا ایک نعرہ لگایا اور خاص تاتار خاں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ تاتار خاں اس حملہ میں کام آگیا۔ اور اس کا بھائی حسن خاں زندہ گرفتار ہوا۔ تاتار خاں کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ اور شاہزادہ کو فتح ہوئی۔

شاہزادگی کے زمانے کی فتح اور ولیعہدی

شاہزادہ کی یہ پہلی فتح۔ جو فی الحقیقت اس کی عمر کو دیکھتے ہوئے بہت بڑی تھی۔ ایسی فتح تھی کہ جس سے لوگوں کے دلوں پر اس کا رعب بیٹھ گیا۔ چنانچہ جب اس فتح کی اطلاع سلطان بہلول کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور سمجھ گیا کہ تمام لڑکوں میں یہی لڑکا اہل تر نکلے گا۔ یہی وہ کارنامہ تھا جس کی وجہ سے سلطان بہلول نے اس کو اپنے بڑے بیٹے شاہزادہ بایزید پر ترجیح دے کر ولیعہدی کے لئے نامزد کیا اور وہ بعد میں سلطان ہو کر کامیاب تر حکمران ثابت ہوا۔

ولی عہدی کے زمانہ کی یہ وہ پہلی مختصر جنگ تھی جس میں کچھ زیادہ نقصان بھی نہیں ہوا اور دشمن پر فتح بھی ہوئی۔ تاریخی حیثیت سے اس جنگ کو بہت بڑی اہمیت ہونی چاہیئے۔ اول تو پہلا تجربہ۔ دوسرے کمسنی۔ تیسرے دشمن کے مقابلہ میں مختصر تر جمیعت۔ اور سب سے بڑھ کر ان سرکشوں سے مقابلہ جو زمانۂ دراز سے لوٹ مار کے عادی ہو چکے تھے۔ اور چھوٹے موٹے جاگیرداروں کو ختم کر کے اپنا حلقۂ اثر وسیع کر چکے تھے۔

عہد سکندری میں سپاہیوں کی عزت

اس جنگ کے بعد ولیعہدی کا زمانہ امور مملکت کی واقفیت میں گزرا۔ اور اس کو کوئی لڑائی باقاعدہ یا بے قاعدہ نہیں لڑنی پڑی۔ تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد البتہ اس کو لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ لیکن وہ لڑائیاں بھی تعداد میں کم اور دوران میں مختصر تھیں۔ فی الحقیقت جنگ کو وہ بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح سے سمجھتا تھا کہ جنگ سے فائدہ کم ہے اور نقصان زیادہ ہے۔ چنانچہ مصنف تاریخ داؤدی نے لکھا ہے:۔[۵۷]

"محض سپاہیوں اور امیروں کی بہبود کے مد نظر وقت کے بادشاہوں اور جاگیرداروں سے لڑائی جھگڑا موقوف کر کے اس نے فتنہ و فساد کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ اور ملک کے اسی علاقے پر قناعت کر کے امن چین

---

[۵۷] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۰

کی زندگی بسر کی جو اس کو اپنے باپ سے
میراث میں ملا تھا۔"

اس کے عہد میں سپاہی کی بے حد عزت تھی۔ کیونکہ وہ سپاہ کو خود عزیز رکھتا تھا اور ان کی راحت و آرام کی تدابیر کرتا تھا اور بے محل ان سے کام نہیں لیتا تھا۔ جاگیردار اور امراء بھی اسی اصول کے پابند تھے۔ اور اپنے اپنے علاقوں میں جو ان کو تفویض تھے امن و انتظام کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ غیر مسلمین اگر دوسرے علاقہ جات سے وہاں کی بدنظمیوں کی وجہ سے تنگ آکر علاقہ دیوانی سلطانی میں آنا چاہتے تھے تو ان کو بھی مناسب مقام پر آباد کرتا تھا۔ البتہ اگر کوئی شخص سرکشی کرتا تھا تو اس کو سزا دینے میں کمی نہیں کرتا تھا۔ حتےٰ کہ یا تو اس کو ملک سے خارج کر دیتا تھا یا اس کے قتل کا حکم دے دیتا تھا۔ محض سپاہیوں کو آرام دینے کی خاطر اس نے اپنے ملک کے کسی گاؤں میں ایک بھی "گڑھی"۔ جس کو بقول تاریخ داؤدی "مٹ کوٹ"، یعنی "مٹی کا قلعہ" کہتے تھے نہیں باقی رکھی تھی۔ اور اسی طرح اندرون ملک میں جنگلوں کا بھی نشان مٹا دیا تھا کیونکہ یہ وہ جگہیں تھیں جہاں سرکش لوگ پناہ گیر ہو کر ہنگامے کیا کرتے تھے اور بے چارے سپاہیوں کا خون بلاوجہ بہتا تھا۔

غرضکہ سلطان سکندر نے تخت شاہی پر آنے کے بعد حسب تفصیل ذیل تین لڑائیاں خود مختار بادشاہوں یا راجاؤں سے لڑیں اور صرف چھ مہم سرکشوں کی سرکوبی کے لئے بھیجیں۔ یہ جملہ

لڑائیاں اپنے دوران میں مختصر تھیں اور نتیجے میں کامیاب بھی

۱۔ سال اول جلوس کے بعد بیانہ و جون پور کی مہم ۸۹۶ھ و ۸۹۷ھ

ان دونوں مہموں کی تفصیل اس سے قبل بیان کر دی گئی ہے مختصر یہ کہ اپنے بھائی باربک شاہ کی کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگرچہ اس نے جونپور کو امراء پر تقسیم کر کے جگہ جگہ اپنے حکام مقرر کر دیئے تھے اور باربک شاہ کے پاس اپنے خاص معتمد تعینات کر دیئے تھے لیکن وہاں کے بعض سرکش زمیندار اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تھے۔ اسی طرح علاقہ بیانہ میں بھی ابھی چنگاریاں باقی تھیں۔ بہرحال جونپور میں مندرجۂ بالا انتظام کر کے وہ کالپی کا انتظام کرتا ہوا پھر بیانہ آیا اور ۸۹۷ھ میں اس نے اس پر مکمل قبضہ کر کے پورا انتظام کر دیا اور وہاں سے دہلی واپس ہوا۔

۲۔ جونپور کی دوسری مہم ۸۹۷ھ تا ۹۰۰ھ

دہلی آئے ہوئے تین ہی روز ہوئے تھے کہ اس کو اطلاع ملی کہ جونپور کے علاقے میں پھر شورش شروع ہو گئی ہے۔ اور "جوکا" نامی زمیندار نے ایک لاکھ کی جمعیت اکٹھا کر لی ہے۔ اور وہاں کے جتنے زمیندار ہیں وہ اس کے جھنڈے کے نیچے آ گئے ہیں۔ اور مبارک خاں لوقانی کو۔ جو باربک شاہ کے پاس تعینات تھا۔ شکست دے کر اس نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا۔ مبارک خاں وہاں سے بھاگا تو اس کو الہ آباد کے راستے میں ملا خان نے گرفتار کر لیا اور باربک شاہ

بھاگ کر دریا باد میاں محمد قرملی المعروف بہ کالا پہاڑ کے پاس چلا گیا۔ غرضیکہ جونپور کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ سلطان نے یہ سنا تو اس کو بے حد حیرت ہوئی کہ ایک معمولی زمیندار نے اتنی بڑی جمعیت اکٹھی کر کے جونپور کا تختہ ہی الٹ دیا۔ اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس میں درپردہ سلطان حسین شرقی کا ہاتھ تھا جو اپنے آبائی ملک پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال جونپور کے متعلق یہ تفصیلی اطلاعات اس وقت ملیں جبکہ وہ چوگان بازی کے میدان میں تھا۔ اس نے اسی وقت چوگان ہاتھ سے پھینکی اور خان جہاں لودھی کے مکان پر آ کر اس نے یہ تمام ماجرا اس کو سنایا اور اس سے تدبیر پوچھی۔ کھانا تیار تھا اسلئے خان جہاں نے کھانے کے لئے عرض کرتے ہوئے عرض کیا کھانے سے فال لے کر جونپور روانہ ہونا چاہئیے۔ سلطان نے کھانے سے انکار کر دیا اور بجائے اپنے محل کی طرف جانے کے دہلی شہر سے باہر چلا گیا اور وہاں خیمہ و سائباں شاہی نصب کرا کر اس میں ٹھہرا۔ گویا جنگ کے لئے تیاری کر چکا تھا۔ اور وہیں سے حشم و خدم اور سپاہ کے ساتھ جونپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور اتنی تیزی سے چلا کہ دس روز میں وہ اس سرکش "جوکا" کے قریب جس نے سر اٹھایا تھا۔ پہنچ گیا اور ندی "کوئی" کے کنارے اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ وہاں مخبروں نے باغیوں کے گروہ کا پورا پورا حال آ کر سنایا۔ سلطان کے دریافت کرنے پر عرض کیا گیا کہ

"اب صرف تھوڑی دور رہ گیا ہے"

سلطان نے اس کے جواب میں وہاں کے جاگیرداروں سے فرمایا:۔ ۵۸ھ

"یہ علاقہ اور قلعہ جو میری نظر میں ہے اور جو اس وقت تمہارے تصرف میں ہے وہ تم کو بخش دیا گیا۔ میں تو صرف "جوکا" حرام خور کی گوشمالی کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اگر تم اس کو تنبیہ کر سکتے ہو تو بہتر ہے ورنہ اس کو یہاں سے نکال دو میں اس کو مناسب سزا دے سکتا ہوں۔ وہ کافر ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ تم اس کافر کی حمائت نہیں کروگے۔"

۳۔ جون پور کی مقامی بغاوت میں سلطان حسین شرقی کا ہاتھ اور سلطان سکندر سے جنگ ۵۹ھ

ادھر یہ ہو رہا ہے اور ادھر سلطان حسین شرقی جس نے "جوکا" کو ابھارا تھا اور جو اس کی پشت پناہی کے لئے تیار تھا۔ سلطان سکندر کی نقل و حرکت سے بے خبر نہیں تھا۔ چنانچہ جب اس کو معلوم ہو گیا کہ سلطان مع لشکر کے آ گیا تو وہ پردے سے باہر آیا اور اس نے اپنا ایک ایلچی میران سید خان کو جو سلطان حسین شرقی کے بڑے امیروں میں

۵۸ھ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۴

۵۹ھ " " "

سے تھا۔ سلطان کے پاس کہکر نہایت ناموزوں اور نامناسب الفاظ میں کہلا بھیجا:۔ ۸۹ھ

"جو کا میرا نوکر ہے۔ تیرا باپ تو خیر سپاہی تھا
اس لئے میں اس پر تلوار چلاتا تھا۔ تو بھی
بے وقوفی کرتا ہے۔ اگر حماقت کرے گا
تو بجائے تلوار کے تجھے جوتے سے ماروں گا"

غالباً دنیا کا کوئی عہد اس قسم کی مثال پیش نہیں کر سکتا ہے کہ ایک معزول و مقہور حکمران نے دوسرے حکمران سے سرکاری طور پر اس طرح خطاب کیا ہو۔ حتیٰ کہ ساد ی مرتبہ کے حکمرانوں نے مخالفت اور عناد کے زمانے میں بھی شاہانہ آداب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ لیکن بقول سلطان سکندر:۔ ۹۰ھ

"کہ قسمت اور عقل کا چولی دامن کا ساتھ
ہے جس کا نصیب پھر جاتا ہے اس کی عقل
بھی گم ہو جاتی ہے۔"

غرضکہ سلطان حسین شرقی کا غیر مہذب پیام سنکر سلطان سکندر نے فرمایا:۔ ۹۱ھ

"پہلی مرتبہ میری زبان سے اس کے لئے
"بھائی" نکل گیا ہے۔ میں اس لئے وہی

۸۹ھ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۴

۹۰ھ " " ۳۴

۹۱ھ " " " " ۳۴

ادب ملحوظ رکھتا ہوں۔ مجھے تو کافروں کی تنبیہ
مقصود ہے۔ جب وہ کافروں کی حمایت کرے
گا تو اس وقت خود ہی معلوم ہو جائے گا
کہ میں نے حماقت نہیں کی۔ مسلمانوں کی یہ
جماعت سن رہی ہے کہ جس منہ سے چھوٹے
کا لفظ نکلا ہے انشاء اللہ اسی منہ پر پڑیگا۔"

یہ کہہ کر سلطان میراں سید خاں کی طرف مخاطب ہوا اور اس نے فرمایا:۔

"آپ آل رسول ہیں آپ اس کو کیوں نہیں
سمجھاتے ہیں ورنہ بعد میں وہ پشیمان ہوگا۔"

میراں کے پاس اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ "وہ اپنے سلطان کے اختیار کے تابع ہیں" چنانچہ یہ جواب سن کر اس نے مندرجہ بالا اصول "حجت و عقل" کو ان سے بیان کیا اور کہا: [۹۲]

"واقعی آپ معذور ہیں۔ کل انشاء اللہ جب
وہ بھاگے گا اور آپ گرفتار ہوں گے
اس وقت یاد دلاوں گا۔ اگر اب بھی آپ
سمجھ جائیں تو بہتر ہے۔"

۴۔ سلطان حسین شرقی اور سلطان سکندر میں جنگ

یہ وہی سلطان حسین شرقی تند مزاج محمد شاہ شرقی کا بھائی تھا جس کو اس اس کی ماں بی بی راجی نے مجبور ہو کر

۹۲ تاریخ داودی۔ صفحہ ۹۰

تخت سے اتروا دیا تھا۔ اور سلطان حسین شرقی کو سلطان جونپور کیا تھا۔ اس کی کئی جھڑپیں کبھی مدافعانہ اور کبھی جارحانہ سلطان بہلول سے ہوئیں اور آخر میں سلطان بہلول کے مقابلے سے بھاگ کر یہ بہار کے پہاڑوں میں چلا گیا اور سلطان بہلول نے وہاں کی بادشاہی اپنے دوسرے بیٹے مبارک خاں کو دے کر باربک شاہ کا لقب دیا تھا۔ بہرحال سلطان حسین شرقی نے باربک شاہ کو کمزور دیکھ کر بہاں باوقات مختلف بغاوتیں اور شورشیں کرائیں۔ انھیں شورشوں کی کڑی یہ منظم بغاوت تھی جس کا سردار بظاہر 'جوکا' نامی ایک ہندو زمیندار تھا۔ سلطان سکندر کے میدان کارزار میں آجانے کے بعد یہ راز افشا ہوا کہ یہ بغاوت نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت یہ جنگ ہے جو ایک معزول سلطان اپنے آبائی ملک کے واپس لینے کے لئے کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت قلعہ 'جوند' میں اپنی جمعیت لئے ہوئے محفوظ تھا اور قلعہ کے استحکام پر اس کو ناز تھا۔

بہرحال بوقت صف آرائی چونکہ سلطان سکندر کے لئے یہ پہلی جنگ تھی اس لئے اس لئے اس نے اپنے باپ کے زمانے کے بڑے بڑے امیروں کو جو اس کے ہمرکاب تھے جمع کیا اور اس نے اس طرح خطاب کیا:-[۹۳]

سلطان بہلول کے زمانے میں تم نے جس طرح سے ہو سکا حق نمک ادا کیا۔ لیکن میرے لئے چونکہ یہ پہلا موقع ہے مجھے

---

[۹۳] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۳۴

یقین ہے کہ کوشش میں کوتاہی نہیں کرو گے"

غرضکہ دوسرے روز لشکر کو جنگ کے لئے ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ شاہی ہراول کے لشکر میں سب کے سب لودھی اور شاہو خیل متعین کئے گئے۔ میمنہ و میسرہ۔ یعنی داہنے اور بائیں لشکر میں قرملی اور نوقانی رکھے گئے اور عقب میں شروانی مقرر ہوئے۔ اس طرح سے قلب۔ میمنہ۔ میسرہ اور عقب کو سلطان نے منظم کرکے عمر خاں شروانی کو۔ جن کے سر شاہزادگی کے زمانے کی پہلی اور آخری لڑائی کا سہرا تھا۔ مقدمۃ الجیش کرکے ایک جنگی ہاتھی پر روانہ کیا تاکہ وہ غنیم کے لشکر کا حال معلوم کرے۔ بہر حال اس نے آگے بڑھ کر حالات معلوم کئے۔ ناگاہ اس کی نظر قلعہ "جونند" پر پڑی تو اس نے کہا:۔ ۹۴ھ

"بس یہی قلعہ ہے جس پر اس کو ناز اور غرور ہے۔ ہم پھر بھی برداشت کر رہے ہیں اگر اب بھی وہ نہ سمجھا تو اس کا قصور ہے۔"

غرضکہ سلطان حسین شرقی۔ جس کا اقبال جواب دے چکا تھا۔ اپنی پوری تیاری کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا اور ہراول سلطانی سے مقابل ہوا۔ دو دو ہاتھ ہوئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں سلطان حسین شرقی کی ہمت نے جواب دے دیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میراں سید خاں۔ جو ایلچی ہو کر آئے تھے۔ معہ دوسرے امیروں کے انتہائی ذلت کے ساتھ گرفتار کرکے سلطان کے سامنے لائے گئے۔

۹۴ھ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۴

سلطان سے میراں سید خاں کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور اس کے شریفانہ جذبے کو یہ منظر دیکھ کر سخت کلفت ہوئی کہ وہ لوگ ننگے سر ہیں اور ان کے عمامے ان کے گلوں میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ قیدیوں کی طرح سے لائے جا رہے ہیں چنانچہ فوراً منہ پھیر کر اس نے حکم دیا:۔ [۹۵]

پہلے ان کے عمامے ان کو واپس کر دو اور
گھوڑوں پر سوار کر کے میرے سامنے لاؤ۔

جس طرح سے حکم ہوا اسی طرح سے میراں سید خاں اور دوسرے امراء کو اس کے سامنے عزت و وقار کے ساتھ لایا گیا جب وہ سامنے آئے تو اس نے ان سے کہا:۔ [۹۶]

خدا تم پر رحمت فرمائے! جو کچھ تم نے کیا ہی
انتہاء وفاداری ہے۔ وہی بد نصیب ہے۔
اس کو تم کیا کرو۔ تم خاطر جمع رکھو۔

اس کا جذبۂ شرافت یہیں نہیں ختم ہوتا ہے۔ بلکہ اس نے جو کچھ کہا اس کو کر کے دکھایا۔ چنانچہ بقول مصنف تاریخ داؤدی (صفحہ ۴۴) ہر امیر کے لئے اس نے علیحدہ علیحدہ سراپردہ اور چار چوبی خیمے اور ایک ایک سائبان نصب کر دیئے۔ دو گھوڑے اور دس پردہ دار پلنگ اور استراحت کے کپڑے بھی عطا کئے۔ جب حسب الحکم اس طرح سے خیمہ جات لگا دئے گئے تو اس نے سب کو اپنے اپنے ڈیروں میں بھجوا دیا۔

بہرحال سلطان کو اس میدان میں بھی فتح نصیب ہوئی جس کو وہ تائید ایزدی کہتا تھا اور سمجھتا تھا چنانچہ اسی فتح کے بعد مبارک خاں

---

[۹۵] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۴
[۹۶] " " "

لوقانی نے جو ملا خاں کی قید سے چھوٹ کر آچکا تھا۔ سلطان حسین شرقی کے بھاگنے کو فخریہ بیان کرتے ہوئے بادشاہ کی تعریف میں کچھ جملے کہے۔ اس نے وہیں مبارک خاں کو ٹوکا اور کہا:[۹۷]

"وہ تمہاری وجہ سے نہیں بھاگا ہے بلکہ اللہ کے قہر کی وجہ سے بھاگا ہے۔ یہ وہی سلطان حسین شرقی ہے جس سے تم مغلوب ہو چکے تھے۔ جس خدا نے اس کو زمین پر گرایا ہے وہ پھر اس کو اٹھا کر غالب کر سکتا ہے۔ اللہ کے کاموں پر نظر رکھو اور غرور کی بات نہ کہو اور نہ غرور کرو۔ چونکہ سلطان حسین شرقی مغرور ہو چکا تھا اس لئے اس نوبت کو پہنچا۔"

۵۔ جونپور کی تیسری شورش اور شاہی مہم بجانب چنار

غرضکہ سلطان حسین شرقی وہاں سے بھاگ کر سیدھا بہار گیا۔ سلطان اس طرف سے لوٹ کر پھر جونپور آیا اور اپنے بھائی باربک شاہ کو۔ جو سلطان کی خدمت میں بمقام دلمئو ضلع رائے بریلی، حاضر ہو چکا تھا، جونپور چھوڑ کر اودھ کی طرف آیا اور یہاں ایک ماہ سیر و شکار میں مشغول رہا۔ ابھی شکار ہی میں تھا کہ پھر جونپور سے یہ اطلاع آئی کہ باربک شاہ زمینداروں کے غلبہ کی وجہ سے جونپور میں نہیں رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت اس نے مہم تیار کر کے اودھ سے محمد قرملی۔ اعظم ہمایوں اور خانخاناں کو روانہ کیا اور آگرہ سے روانگی کا حکم مبارک خاں کو دیا اور ان کو ہدایت کر دی کہ

---

[۹۷] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۴

وہ باربک شاہ کو مقید کر کے لے آئیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور باربک شاہ کو لاکر پیش کیا۔ اس نے باربک شاہ کو عمر خاں شروانی کی نگرانی میں دیا اور وہ خود چنار کی طرف لشکر لے کر بڑھا تاکہ ان سرکشوں کی ایسی گوشمالی کرے کہ پھر کبھی وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ راجہ بھید جو وہاں کا راجہ تھا مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور برائے نام مقابلہ کر کے بھاگا اور راستہ ہی میں کسی جگہ مر گیا۔ اس مہم میں راستہ کی خرابی اور کو کنار کے عدم دستیابی کی وجہ سے لشکر کے سینکڑوں گھوڑے مر گئے۔ حساب لگانے پر معلوم ہوا تھا کہ نوے فیصدی گھوڑے ضائع ہو گئے۔ سلطان سکندر نے جو آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ آگے جانا ملتوی کیا اور اسی حالت میں جونپور آگیا تاکہ سپاہ کی از سر نو ترتیب کی جائے اور سامان وغیرہ درست کر لیا جائے۔ اس کام کے لئے وہ چند ماہ جونپور میں مقیم رہا۔

۳۔ سلطان حسین شرقی سے دوسرا مگر آخری مقابلہ اور شرقی کی ہزیمت

سلطان سکندر کے لشکر کی یہ بدحالی اور از سر نو ترتیب کے انتظامات دیکھ کر وہاں کے زمینداروں نے پھر اپنے آقائے قدیم سلطان حسین شرقی کو سلطانی لشکر کی بدحالی سے مطلع کرتے ہوئے حکومت کے لئے ابھارا۔ سلطان حسین شرقی ایک لشکر کے ساتھ جس میں سو ہاتھی تھے۔ فوراً بہار سے چل کر جونپور پر حملہ آور ہوا۔ لیکن افسوس کہ اس کی کوشش کا نتیجہ اور بھی بدتر نکلا۔ اور سلطان حسین شرقی کی امیدوں پر ہمیشہ کے لئے پانی پھر گیا۔ جب سلطان سکندر نے سلطان حسین شرقی کے حملہ کا حال سنا تو اس

نے اپنی سپاہ کی بحالی کا خیال کرتے ہوئے جس کی درستی اور اصلاح اس وقت تک ہونے بھی نہ پائی تھی۔ خانخاناں کو پٹنہ کے راجہ رائے بھید کے بیٹے رائے سالباہن[98] کے پاس جو اس وقت پٹنہ کا راجہ تھا حصول مدد کے لئے بھیجا۔ ہنوز وہ مدد آنے بھی نہ پائی تھی کہ سلطان حسین شرقی جونپور سے اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر آپہنچا۔ سلطان سکندر مقابلہ کے لئے مجبور ہوا۔ چنانچہ اسی حالت میں وہ مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اس عرصہ میں رائے سالباہن اپنی فوج کے ساتھ آگیا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا اور سلطان حسین شرقی کو پھر شکست ہوئی اور وہ حسب سابق پھر بہار کی طرف بھاگا۔ سلطان سکندر نے اب کی بار اس کا بہار تک پیچھا کیا۔ وہاں جاکر اس کو معلوم ہوا:۔[99]

"کہ سلطان حسین بگہل گاؤں علاقہ لکھنوتی ملک
بہار میں ملازمین سلطان سکندر کے ہاتھوں
پکڑا گیا۔"

یہ خبر سنتے ہی سلطان سکندر نے بہار اور "ترہت" کے انتظام کو مکمل کیا۔ اور وہاں سے شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوا پٹنہ آیا۔ یہاں اتفاقاً اس کے بوڑھے وفادار اور تجربہ کار امیر خانجہاں لودھی کا انتقال ہوگیا۔ اس لئے اسی جگہ احمد خاں پسر خانجہاں کو اعظم ہمایوں کا لقب دیکر خلعت وغیرہ سے ممتاز کیا۔

---

[99] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۴۰

۷۔ بنگالہ کی مہم اور سلطان علاؤالدین سے جنگ

پٹنہ میں قیام کر کے سلطان نے پھر اپنی فوجوں کو درست کیا۔ اور تازہ دم فوج کو لے کر اب بنگال کی طرف بڑھا۔ فی الحقیقت یہ پہلی جنگ تھی جو سلطان سکندر نے دوسرے ملک میں جا کر لڑی۔ جس کا سبب جیسا کہ صلح کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ سوائے سرحدی نزاع کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال دوسری طرف سے بھی سلطان علاؤالدین بادشاہ بنگالہ نے اپنے بیٹے کی سرکردگی میں فوجیں آراستہ کر کے مقابلہ کے لئے بھیجیں۔ دونوں میں معمولی جھڑپ ہوئی اور اس کے بعد اس بات پر صلح قرار پائی۔ ۱۰ھ

(۱) کوئی ایک دوسرے کے حدود میں دخل نہ دے

(۲) سلطان علاؤالدین ان لوگوں کو پناہ نہ دے جو سلطان سکندر کے مخالف ہیں۔

غرضکہ دونوں میں صلح ہو گئی اور سلطان سکندر اپنی فوجوں کو "درویش پور" لے آیا جس کو اعظم ہمایوں کی جاگیر میں عطا کر چکا تھا۔ اور وہاں چند ماہ قیام کر کے بعزم جونپور روانہ ہوا۔ راستے میں قلعہ "باندھو" کے راجہ سے مڈبھیڑ ہوئی جس کو زیر کرتا ہوا وہ جونپور آیا۔ جب جونپور میں اس کو معلوم ہو گیا کہ اب کوئی سر اٹھانے والا نہیں رہا تو وہاں سے سیدھا سنبھل چلا آیا جہاں وہ مسلسل چار ماہ مقیم رہا۔

۸۔ دھولپور کی مہم اور فتح ۹۱۰ھ

سنبھل کے قیام کے دوران میں سلطان سکندر نے ۹۱۰ھ میں خواص خاں کی سرکردگی میں ڈھولپور

کی تسخیر کے لئے مہم روانہ کی۔ راجہ نایک دیو نے بہت ہی ہمت اور استقلال سے مقابلہ کیا جس سے خواص خاں کی کچھ پیش نہ گئی۔ سلطان نے راجہ دھولپور کے استقلال و ہمت کو سن کر اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ چنانچہ جب وہ خود لشکر لے کر دھولپور کے قریب پہنچا تو راجہ وہاں سے بغیر مقابلہ کے اپنے متعلقین کو قلعہ میں چھوڑ کر گوالیار کی طرف بھاگ گیا جو وہاں رہ گئے تھے وہ مقابلہ کی کیا تاب لاتے۔ آدھی رات کو وہ بھی قلعہ سے نکل کر چل دئیے۔ اور اس طرح سے سلطان سکندر کے ہاتھ قلعہ اور وہ علاقہ آگیا۔ چنانچہ صبح کے وقت دوسرے ہی روز وہ قلعہ کے اندر داخل ہوا اور اس نے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا سلطان کے لشکریوں نے نہ صرف شہر کو لوٹا بلکہ وہاں کے باغات کو غارت کیا جس کے متعلق مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ وہ مسلسل سات کوس تک تھے۔ بہرحال سلطان نے وہاں ایک ماہ قیام کر کے مساجد تعمیر کرائیں اور اس کے بعد پایۂ تخت آگرہ کو واپس آگیا۔ بوقت واپسی راجہ دھولپور کو دھولپور واپس کر دیا۔ اور مدد دیکر اس کی از سرِ نو تعمیر کرائی۔

۹۔ گوالیار کی مہم اور فتح۔ ۹۱۱ھ

۹۱۱ھ میں آگرہ کے زلزلہ میں جو تباہی آئی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہرحال شہر کی از سرِ نو تنظیم کے بعد جب موسم بارش گزر چکا تو سلطان سکندر نے گوالیار کی طرف رخ کیا۔ اور وہاں پہنچکر گوالیار کے بعض علاقہ کو فتح کیا ہی تھا کہ راجہ سے صلح ہو گئی۔ راجہ نے اپنے بیٹے کو حاضر کیا۔ سلطان نے خوش ہو کر اس کو خلعت دیا اور رخصت کیا۔ اور وہاں سے کامیاب

وکامران ہوکر آگرہ کو واپس ہوا۔ واپسی پر راستہ کی ناہمواری اور پانی کی عدم دستیابی سے کہ بقول مصنف تاریخ داؤدی (صفحہ ۵۵) "ایک کوزہ پانی (۱۵) تنکہ سکندری میں ملتا تھا۔" بہت سی جانیں ضائع ہوئیں۔ چنانچہ سلطان کے حکم سے جو ان کا شمار لگایا گیا تو "آٹھ سو موتوں" کا پتہ چلا۔ اس میں کچھ رعایا کے لوگ تھے اور کچھ لشکری بھی تھے جو پانی کی عدم دستیابی کی نذر ہوئے۔

۱۰۔ قلعہ نرور کی مہم اور فتح ۔ ۹۱۳ھ

سنہ ۹۱۳ھ میں سلطان نے حاکم کالپی جلال خاں کو بذریعۂ فرمان حکم بھیجا کہ وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ "نرور" (مالوہ) قلعہ کا محاصرہ کرے۔ چنانچہ جلال خاں لودھی نے حکم کی تعمیل میں نرور پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پیچھے سے وہ خود بھی فوج جرار کے ساتھ نرور پہونچ گیا بقول مورخین ایک سال تک اس قلعہ کا محاصرہ رہا۔ اس قلعہ کی لمبائی آٹھ کوس بتائی جاتی ہے۔ غرضکہ کبھی کبھی دونوں طرف کے آدمیوں میں چھیڑ چھاڑ ہوتی تھیں۔ اور دونوں جانب کے کچھ نہ کچھ آدمی بھی مارے جاتے تھے۔ لیکن نہ محاصرہ ٹوٹتا تھا اور نہ قلعہ فتح ہوتا تھا۔ آخرکار قلعہ بند لوگ عاجز آگئے۔ کیونکہ ان کے پاس نہ پانی رہا تھا نہ غلہ اور وہ امان کے خواستگار ہوئے۔ چنانچہ ان کو امان دی گئی اور وہ سب اپنا مال و متاع لے کر قلعہ سے باہر چلے گئے۔ سلطان نے حسب دستور وہاں مساجد بنوائیں اور نرور کے علماء اور بزرگوں کو وظائف اور جاگیروں سے مالامال کیا اور چھ ماہ وہاں قیام کیا۔ ایک روز اس نے خیال کیا کہ یہ

قلعہ انتہائی مستحکم ہے۔ اگر کسی مخالف کے ہاتھ لگ گیا تو اس سے چھیننا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے اس کو ویران و برباد کر دیا جانا چاہئیے تاکہ کسی غنیم کے لئے کار آمد نہ ہو سکے۔ بہر حال اس نے اسی دوران میں اس کی تکمیل بھی کر دی۔ اور قلعہ کو زمین دوز کر کے وہ آگرہ واپس آ گیا۔ ۹۱۳ھ کی یہ وہ آخری مہم تھی کہ اس کے بعد نہ کسی سے جنگ ہوئی اور نہ کہیں گوشمالی اور سرکوبی کے لئے سلطان کو مہم بھیجنی پڑی۔ اس کے بجائے وہ ملک کی اصلاح اور درستی کرتا رہا اور اس کی رفاہ و فلاح کے انتظامات میں مشغول رہ کر خود بھی چین سے رہا اور امراء و عہدیدار بھی چین سے رہے اور رعایا بھی امن کی زندگی بسر کرتی رہی۔ غرضکہ اس کی زندگی کے آخری دس سال انتہائی چین کے ۔۔۔ سال تھے۔

سکندری عہد کے امراء اور ان کی خصوصیات

سلطان سکندر کے عہد کے امراء کی تعداد بشمول امراء عہد دولت بہلولی یوں تو اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان کو تفصیل سے لکھا جائے تو کئی مجلدات ہو جائیں۔ اس لئے چند خصوصی امراء کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جن میں بعض کے تفصیلی حالات سابقہ صفحات پر زیر عنوان "سکندری سخاوت"، درج کئے جا چکے ہیں۔ بہر حال ان امرا کی فہرست درج ذیل ہے۔ اور جہاں تک ان کے حالات کا پتہ چل سکا وہ بھی اجمالاً درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ خوجگی شیخ سعید قرملی

یہ زمانہ شاہزادگی میں سلطان کی سرکار کے دیوان اور دانشمند و عالم امیر تھے۔

سلطان ابراہیم کے عہد میں یہ تنہا الٰہی فوت ہوئے۔

۲۔ میاں عطا قرملی بن شیخ سعید قرملی: سلطان سکندر کے امراء میں سے یہ وہ ہنرمند تر امیر تھے جو تقریباً ہر فن مولا تھے۔ عالم بھی تھے اور ہنرمند بھی۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں ان کی وفات ہوئی۔

۳۔ میاں سلطان حسین قرملی بن شیخ سعید قرملی! یہ عالم بھی تھے اور سپاہی بھی سلطان سکندر کی افواج کے سپہ سالار تھے۔ یہ پہلے سارن اور چپار کے جاگیردار تھے۔ اس کے بعد سلطان ابراہیم نے ان کو پہلے تو مرتبہ سے گرایا۔ اس کے بعد وہ قتل کے درپے ہوا۔ آخر جب قتل کی سب تدبیریں ناکام ہوئیں تو اس نے ان کو چندیری (مالوہ) کی جاگیر دیکر وہاں کے شیخ زادوں کے ہاتھوں جن کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے نہایت سفاکی سے قتل کرا دیا۔ مرتے وقت میاں حسین نے اپنے وکیل علی حسن خراسانی کو یہ وصیت کی کہ وہ سلطان ابراہیم سے جاکر کہدے:۔[1]

> میرے دل میں تیری طرف سے کوئی برائی
> نہیں تھی۔ تیرے دل میں فتنہ و کینہ تھا۔ تجھ
> کو بھی مرنا ہے۔ میرا اور تیرا انصاف احکم
> عادل کے سامنے ہوگا۔

۴۔ میاں بھوا: سکندری عہد کے ممتاز عالم امیر تھے۔ سکندری عہد میں پایۂ تخت آگرہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ اس

---

[1] تاریخ داؤدی صفحہ ۸۸

کے علاوہ شاہی عدالت کے جس میں بارہ علماء کی جوری تھی۔ میر مجلس یا میر عادل بھی تھے۔ میاں بھوا کو بغیر کسی قصور کے سلطان ابراہیم نے پابہ زنجیر کر کے قید میں ڈال دیا تھا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔

۵۔ احمد خاں المخاطب بہ اعظم ہمایوں پسر خانجہاں بن خانجہاں خاں لودھی

عہد سکندری کے ممتاز امیر تھے امیر الاُمرا کا خطاب تھا۔ لکھنوتی (بنگال)، کے بعد کیٹرہ کے حاکم ہوئے۔ بڑے وفادار اور ملک و مالک کے شیدائی تھے۔ درویش پور (بہار)، کے جاگیردار تھے۔ سلطان ابراہیم نے ان کو مہم سے واپس بلا کر پہلے انتہائی ذلیل کیا اور پھر قید کر دیا۔ باوجودیکہ ان کے خاص دوستوں نے کوشش کی کہ یہ سلطان کے پھندے میں نہ پھنسیں اور سلطان کے بلانے پر نہ جائیں۔ کیونکہ ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ بلاوا دھوکا ہے۔ لیکن اس فدائی نے یہ سب جانتے ہوئے ہر ایک کو یہی جواب دیا۔[۱۰۲]

"ہم نے سلطان ابراہیم کے باپ دادا کے کام کے لئے جان کی بازی لگائی۔ جتنا جینا تھا میں جی چکا۔ اب زیادہ نہیں جیوں گا۔ یہ جان تو اس کے لئے تھی ہی۔ میں نے کوئی برائی نہیں کی۔ خواہ جیوں یا مروں۔ وہ جانے میری شرافت میں فرق نہیں ہے۔ خدا کو وہ جواب دے گا۔"

---

[۱۰۲] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۹۰

بہر حال اعظم خاں کا قید ہی میں انتقال ہو گیا۔

۶۔ سیدا خاں پسر مبارک خان۔ سکندری عہد کے سخی تر امیروں میں سے تھے۔

۷۔ خان اعظم مد خاں پسر احمد خاں۔ یہ بھی سکندری عہد کے جوان اور بلند ہمت امیر تھے۔ بے پڑھے لکھے تھے لیکن بڑے ہی غریب پرور اور وضع کے پابند تھے۔

۸۔ خانخاناں دلاور خاں پسر میاں بھوا یہ بھی سکندری عہد کے امیر تھے ان کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے حرم میں پانچ سو تنکہ (روپیہ) روز آنہ کے پھول خریدے جایا کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم نے میاں بھوا کو قید کر کے ان کو باپ کا منصب دیا تھا۔

۹۔ ملک آدم کاکر عہد سکندری میں یہ آگرے کے کوتوال تھے اور بوقت جلوس سلطان کے آگے گھوڑے پر تیر و ترکش سے مسلح چلا کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم کے زمانے میں جس وقت اس کے بھائی سلطان جلال الدین نے آگرے پر حملہ کیا تو انھیں نے اپنی ترکیبوں سے آگرے کو غارت گری سے بچایا اور سلطان جلال الدین سے شاہی نشانات مثل چھتر وغیرہ لے کر سلطان جلال الدین کو مایوس کیا تھا۔

۱۰۔ بھیکن خاں لودھی عہد سکندری کے نامور امیروں میں سے تھے۔ نیک دل اور نیک طینت تھے۔

۱۱۔ میاں محمود پسر خوجگی شیخ سعید قرملی سکندری عہد میں فقیر منش امیر

تھے۔کسی سائل کے سوال کو رد نہیں کرتے تھے۔چنانچہ اسی سلسلے میں سلطان سکندر ایک مرتبہ ناراض بھی ہو گیا تھا۔مگر انھوں نے پروا نہیں کی۔اور کہا کہ خدا ناراض نہ ہو خواہ کوئی ناراض ہو۔بڑے مستقل مزاج۔صابر اور پابند وضع امیر تھے۔

۱۲۔فتح خاں پسر اعظم ہمایوں

۱۳۔اسلام خاں پسر اعظم ہمایوں

سکندری عہد کے یہ دونوں نوجوان امیر تھے۔فتح خاں باپ کے ساتھ قید کیا گیا۔اسلام خاں بہت تند مزاج تھا جس نے کٹرہ مانک پور میں جمعیت اکھٹی کی تھی۔باپ کی قید کے بعد سب سے پہلے سلطان ابراہیم کے خلاف اس نے بغاوت کی تھی۔اور بیشتر بد دل امراء وقت نے اس کے ساتھ ہو کر قنوج کے قریب بانگر مئو میں ابراہیمی فوجوں سے مقابلہ کیا۔اسلام خاں اور کئی اُمراء اس معرکہ میں کام آئے۔

۱۴۔خانجہاں بن خانجہاں لودھی

بہلولی عہد کے پرانے اُمراء میں سے تھے۔یہ "راپڑی" (حال ضلع مین پوری۔یوپی) کے حاکم تھے۔

۱۵۔ملک بدر الدین بھلیم جاگیر دار

سکندری عہد کے بڑے جاگیر دار تھے نہایت دیانتدار۔رعایا پرور اور وفا شعار تھے۔

۱۶۔خانخاناں قرملی

دربار سکندری کے حاضر باش امیروں میں سے تھے اور بہت ممتاز رہے۔بیانہ کے حاکم بھی رہے۔۹۰۳ھ میں وفات پائی۔

۱۷۔ مبارک خاں لوقانی سلطان بہلول کے زمانے کے ممتاز امیر تھے عہد سکندری میں ان کی بڑی عزت تھی۔

۱۸۔ دریا خاں پسر مبارک خاں لوقانی سلطان بہلول کے عہد کے امیروں میں سے تھے سلطان سکندر کے عہد میں ان کا کافی عروج تھا۔ شاہزادگی کے زمانے میں تاتار خاں کے مقابلہ میں پہلے شخص یہی تھے جنھوں نے یکہ وتنہا میدان میں نکل کر مردانگی کے جوہر دکھائے تھے۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں انھیں کے بیٹے پہاڑ خاں نے سلطان محمد کا لقب اختیار کر کے۔ بہار کی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ اور سکہ وخطبہ اپنے نام کا جاری کیا تھا۔

۱۹۔ عمر خاں شروانی یہ بھی سلطان بہلول کے عہد کے امیر تھے۔ ایام شاہزادگی ہی سے سلطان سکندر کے دربار سے والستہ تھے۔ نہایت جری۔ وفادار اور دانشمند تھے۔ تاتار خاں کے مقابلے میں جب، باپ کے حکم سے شاہزادے نے فوج کشی کی تو عمر خاں بھی اس حملے میں ساتھ تھے۔ اور انھیں کے آخری سخت حملے میں تاتار خاں قتل ہوا اور اس کا بھائی گرفتار ہوا ان کا خطاب مسند عالی تھا۔

۲۰۔ دولت خاں پسر تاتار خاں یہ عہد سکندری کا امیر سلطان ابراہیم کا پہلے وزیر ہوا اس کے بعد لاہور کا حاکم۔ عہد ابراہیمی میں اس امیر نے بقول بعض مورخین بابر بادشاہ

کو کابل سے بلا کر ہندوستان پر حملہ کرایا تھا۔ مصنف تاریخ داؤدی نے یہ لکھا ہے کہ دولت خاں بابر بادشاہ کے لانے کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔ مگر راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اس کے بیٹے دلاور خاں نے اس کے کام کو پورا کیا اور وہ بابر بادشاہ کو ہندستان لایا۔

۲۱۔ جمال خاں سارنگ خانی

سلطان بہلول لودھی کے عہد کا امیر تھا۔ جس وقت سلطان بہلول لودھی کا انتقال ہوا ہے تو سلطان سکندر اس کو دہلی کا انتظام سپرد کر کے بجانب جلالی (ضلع علی گڈھ) روانہ ہوا۔ اس کے بعد جب سکندر تخت سلطنت پر بیٹھا اور اس نے جونپور اپنے بھائی باریک شاہ سے واپس لیا تو جمال خاں سارنگ خانی کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ یہی جمال خاں شیر شاہ کے والد میاں حسن سور کا مربی تھا جس نے میاں حسن کو سہسرام اور خواص پور ٹانڈہ کے پرگنہ جات جاگیر میں دئے تھے۔

حاجی عبدالوہاب سے سلطان سکندر کی تلخ گفتگو

آگرے کے قیام میں ایک روز حاجی عبدالوہاب سلطان کے پاس آئے اور انھوں نے سلطان سے کہا کہ مسلمان بادشاہ کو داڑھی رکھنی چاہیئے۔ درحالیکہ سلطان خود دوسروں کو اس قسم کی ہدایت کرتا رہتا ہے۔ اس پر سلطان نے حیلہ کر کے اس مسئلہ کو ٹالنا چاہا۔ لیکن شیخ عبدالوہاب نے اس کے لئے اس کو مجبور کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے اپنے پیر کے لئے کہا کہ "ان سے پوچھوں گا جو جنگل

میں زندگی گزارتے ہیں، اور کبھی کبھی تشریف لے آتے ہیں۔" تو انھوں نے پیر کے متعلق بھی سوال کیا کہ آیا وہ ڈاڑھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ تو اس نے جواب دیا "نہیں"۔ اس پر شیخ نے کہا "ان کو بھی ہدایت کروں گا"۔ بہرحال اس پر کچھ تلخی ہوئی اور سلطان نے منہ پھیر لیا۔ شیخ خفا ہو کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سلطان نے شیخ عبدالجلیل پسر سید احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: [۱]

"شیخ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ میرے پاس
اگر قدم بوس ہوتے ہیں، وہی صرف بلند
مقام ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر میں کسی
ایک غلام کو عزت دیکر تمام امرا کو حکم دوں
کہ اس کا ڈولہ اپنے کندھوں پر اٹھائیں
تو وہ اٹھائیں گے۔"

شیخ عبدالجلیل کو یہ جملہ ناگوار گزرا، بعد برخاست دربار وہ سیدھے شیخ حاجی عبدالوہاب کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ "آج سلطان نے ہم کو غلام کہا۔"

شیخ عبدالوہاب نے جواب دیا "تم آل رسول ہو تم کو اس نے غلام کہا۔ تو جس حلق سے یہ جملہ نکلا وہ حلق بند ہو جائے گا۔" اس کے بعد شیخ اس قدر ناراض ہوئے کہ وہ بغیر اطلاع آگرے سے دہلی چلے آئے۔

---

[۱] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۲۷

سلطان سکندر کی مختصر مگر مہلک علالت اور وفات

تھوڑے دن بھی نہیں گزرے تھے کہ سلطان کے حلق میں درد شروع ہوا اور وہ اتنا بڑھا کہ اس کو اپنی زیست کی امید بھی نہ رہی۔ چنانچہ ایک روز اس نے شیخ لاؤن دانشمند کو بلاکر حکم دیا کہ:۔ [1]

"میری قضا نمازوں اور قضا روزوں کے کفارے کا حساب لگایا جائے۔"

چنانچہ حسب الحکم حساب لگایا جاکر پیش کیا گیا۔ اس نے حکم دیا۔

"میرے ذاتی خزانے سے۔ جو بیت المال سے بالکل علیحدہ ہے۔ یہ جملہ رقم ادا کی جائے۔"

لوگ یہ سُن کر تعجب کرنے لگے کہ علیحدہ اور ذاتی خزانہ کہاں سے آیا۔ اس پر اس کے خزانہ دار نے کہا: "سلطان کا یہ دستور تھا کہ جو تحائف اس کو دوسرے بادشاہ بھیجتے تھے یا بعض امراء پیش کیا کرتے تھے ان کو علیحدہ رکھواتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ جب حکم دیا جائے اس وقت اس میں سے خرچ ہو۔ یہ وہی خزانہ ہے۔" تمام علماء اور امراء کو اس احتیاط پر سخت حیرت ہوئی۔

غرضکہ مرض کی اس قدر شدت ہوئی کہ پانی بھی حلق کے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ لیکن آخر وقت تک اس نے ضبط سے کام لیا۔ اپنی ناتوانی کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور سلطنت کے کاروبار کو برابر انجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ بروز یکشنبہ، ماہ ذیقعدہ ۹۲۳ھ (ثلث و عشرین و تسعمائۃ)

---

[1] تاریخ داؤدی صفحہ ۷۳

سانس بند ہوگیا اور اس کی روح پرواز کر گئی (اِنّا لِلّٰہ واِنّا اِلیہ راجعُون)
ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ جلد اول میں اس کی وفات
کی تاریخ یہ لکھی ہے۔

جنّٰت الفردوس نزلاً (آیت قرآن)

۹۲۳ھ

سکندر شہ ہفت کشور نماند ؛ نماند کسے چوں سکندر نماند

سلطان سکندر کی اولاد

سلطان سکندر کے چھ لڑکے تھے جن میں سے سب سے بڑا سلطان ابراہیم خاں تھا جو اس کے بجائے آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ اور دوسرے کا نام جلال خاں تھا جو سلطان جلال الدین کے لقب سے تخت شرقی پر جونپور میں تخت نشین ہوا۔ باقی کے نام یہ ہیں:- ؎۱۰۵

اسمعیل خاں۔ حسن خاں۔ محمود خاں۔ شیخ اعظم ہمایوں۔ ان سب کے حالات سلطان ابراہیم کے بیان میں۔ جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ لکھے جائیں گے۔

؎۱۰۵:- ماثر رحیمی۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۵۲

سلطان ابراہیم لودھی

از سنہ ۹۲۳ھ تا سنہ ۹۳۲ھ

۸ سال ۸ ماہ ایک یوم

جلوس سلطان ابراہیم وسلطان جلال الدین

سلطان سکندر کے چھ لڑکے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ سب سے بڑا بیٹا ابراہیم خاں اور اس سے چھوٹا جلال خاں تھا۔ یہ دونوں بھائی ایک ماں سے تھے۔ باقی دوسرے دوسری ماؤں سے تھے سلطان سکندر کی وفات کے وقت یہ دونوں آگرہ میں موجود تھے تخت نشینی کے دونوں دعویدار ہوئے۔ اُمراء دولت میں مشورے ہوئے۔ اور یہ رائے قرار پائی کہ سلطان ابراہیم کو دہلی کے تخت پر بیٹھایا جائے اور حسب سابق دہلی کی سلطنت کی سرحد جونپور تک رہے کیونکہ وہ[1]

"سلطان ابراہیم ہوشیاری۔ بہادری اور
اخلاق حمیدہ میں مشہور ہونے کے علاوہ
سلطان سکندر کا بڑا لڑکا ہے۔"

اور جلال خان کو سلطان جلال الدین کا لقب دیا جاکر جونپور کی سلطنت

---

[1] تاریخ داودی۔ قلمی صفحہ ۷۷

سپرد کی جائے اور اس طرح سے وہ شرقی سلطنت پر حکومت کرے۔ بہرحال امراء دولت کے اس مشورہ کو دونوں بھائیوں نے مانا۔ چنانچہ سلطان ابراہیم دہلی کے تخت پر بیٹھا اور سلطان جلال الدین جونپور کے امراء و جاگیرداروں کے ساتھ بجانب جونپور روانہ ہو گیا۔ سلطان ابراہیم نے چاروں سوتیلے بھائیوں کو نظر بند کر دیا تاکہ وہ سر نہ اٹھائیں۔

سلطان جلال الدین کے خلاف امراء کا مشورہ

سلطنت کی یہ مفاہمانہ تقسیم اگرچہ امراء کے مشورہ سے ہوئی تھی لیکن بعض امراء نے اس کو سخت ناپسند کیا پر بنائے مصلحت وہ امراء اس وقت خاموش رہے اور موقع کے منتظر رہے ان مخالفین میں فتح خاں بن اعظم ہمایوں اور خانجہاں لودھی حاکم راپڑی۔ دحال ضلع مین پوری۔ یو۔پی) پیش پیش تھے۔ غرضکہ اس فیصلہ پر عمل ہوئے ابھی کچھ دن بھی نہیں گزرے تھے کہ انھوں نے ایک روز: ۱۰۲ء

سلطان ابراہیم کی موجودگی میں وزیروں اور مشیروں پر لعن طعن شروع کر دی۔ اور کہا کہ حکومت اور سلطنت کے کاموں میں شرکت قرار دینی سخت غلطی ہے اور اس کا قبول کرنا عقل کے خلاف ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بادشاہی شرکت سے نہیں ہوتی ہے۔ اور ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں بقول کسے۔

دو جاں ہرگز بہ یک پیکر نگنجد ؛ دو فرماں رو بیک کشور نگنجد

سلطان ابراہیم اور سلطان جلال الدین میں کشاکش

ان امرا کی اس اشتعال انگیز گفتگو نے آخر کار سلطان ابراہیم کو بدعہدی پہ آمادہ کر کے اس کو اپنے بھائی سے دست و گریباں کرا ہی دیا۔ لیکن چونکہ امرا اور سلطان ابراہیم یہ جانتے تھے کہ جو عہد سلطان جلال الدین سے کیا گیا تھا اس کا توڑنا اب آسان نہیں تھا۔ اس لئے سلطان ابراہیم نے بہ مشورہ امراء دولت ایک شفقت آمیز برادرانہ خط سلطان جلال الدین کو لکھ کر ہیبت خاں کو دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ جلد سے جلد جونپور پہنچ کر یہ خط اس کو دے اور کسی نہ کسی طرح اس کو دہلی لے آئے۔ چنانچہ ہیبت خاں حسب الحکم جونپور پہنچا اور چاپلوسی اور فریب دہی کے جتنے طریقے وہ استعمال کر سکتا تھا وہ سب اس نے اختیار کئے۔ لیکن چونکہ سلطان جلال الدین اس چال بازی کو سمجھ چکا تھا اس لئے اس نے نہایت خوبصورتی سے عذر و اپسی کر دیا۔ ہیبت خاں نے مجبوراً بارگاہ ابراہیمی میں تمام واقعات کی اطلاع کر دی۔ اب پھر امراء دولت سے مشورہ کیا گیا۔ چنانچہ یہ قرار پایا کہ جونپور کے علاقہ کے امراء اور جاگیرداروں کے نام فرامین جاری کر دیئے جائیں کہ وہ لوگ شاہزادہ جلال خاں کی نہ تو فرمانبرداری کریں اور نہ اس کے سلام کو جایا کریں ان کے بعض ہمدرد جو بڑے جاگیردار تھے ان کو خلعت خاص اور گھوڑے سے بھی سرفراز کیا گیا سلطان جلال الدین کو پہلے ہی شبہات ہو چکے تھے۔ اس کے بعد جب اس نے بھائی کی یہ عنایات و سرفرازیاں سنیں تو اس نے ؛ ۳۵

۳۵ ؛ تاریخ داودی۔ صفحہ ۷۸

۱۵ ذی الحجہ ۹۲۶ھ کو دربار خاص منعقد کیا اور ایک جواہرات سے مرصع تخت پر جلوس کر کے اپنے تمام ملازمین کو ان کے مرتبوں کے اعتبار سے انعام واکرام خطابات ومناصب۔ خلعت۔ گھوڑے۔ تلوار اور ہاتھی عطا کر کے خوشنود کیا۔

صرف اسی پر اس نے اکتفا نہیں کی بلکہ خیرات اور صدقات کے لئے اپنے خزانہ کے دروازے کھول دیئے۔ غریبوں اور مسکینوں کے لئے لنگر جاری کر دیئے۔ متوکلین اور آئمہ کے لئے وظائف مقرر کئے اور معذوروں اور گوشہ نشینوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ کیونکہ اسی طریقہ سے وہ اپنے بھائی کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ سلطان ابراہیم فوج کشی ضرور کرے گا اور پھر اس صورت میں جبکہ وہ جونپور کے امراء کو ایک حد تک اپنا ہمنوا بھی بنا چکا تھا۔ بہرحال جلال الدین کا لقب اختیار کر کے اس نے اپنا سکہ اور خطبہ بھی جاری کر دیا۔ اور فوجی تنظیم کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

سلطان جلال الدین کی تیاری اور سلطان ابراہیم کا بجانب جونپور کوچ ۔ ۹۲۶ھ

ابھی سلطان سکندر کے انتقال کو تین ہی سال گزرے تھے کہ بھائیوں میں چپقلش شروع ہو گئی جو حکومت لودھی کے زوال کا پیش خیمہ تھی۔ وہ ابراہیم جو بعض امراء کے مشورہ سے بھائی کا دشمن ہو گیا تھا۔

وہی سلطان کچھ دنوں کے بعد ان امراء کے خون کا پیاسا ہو گیا جنھوں نے اس کو اس کے لئے آمادہ کیا تھا اور اس کے بعد تو اس کو دوست اور دشمن کی تمیز نہیں رہی تھی۔ فی الحقیقت جو بات کہ سلطان سکندر نے میراں سید خاں وکیل سلطان حسین شرقی مغرور شاہ جونپور سے۔ شاہ جونپور کے لئے کہی تھی کہ :-

"بخت و عقل ملازم یک دیگر اند — چوں بخت برگشت عقل نیز برگشت"

وہی بات اس کے بیٹے سلطان ابراہیم پر عملاً صادق آگئی۔

سلطان جلال الدین نے جب اپنی تھوڑی بہت تیاری کر لی تو اس نے بعض ذی اثر امراء سلطان ابراہیم کی طرف رجوع کر کے ان کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اعظم ہمایوں کے پاس۔ جو اس وقت کالنجر کے محاصرہ میں مصروف تھا اور سلطان ابراہیم کے اعمال سے کچھ ناخوش بھی ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بعض آدمی بھیج کر کہلا بھیجا:۔ ۳۳

> تم بجائے باپ اور چچا کے ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ میرا کچھ قصور نہیں ہے سلطان ابراہیم نے ہی عہد توڑا ہے۔ باپ کے ملک میں سے میرے لئے تھوڑا سا حصہ جو بطور ورا ثت اس نے تجویز کیا تھا اس کی طرف سے بھی اس نے آنکھ بند کر لی اور حتیٰ کہ رشتہ برادری کو توڑ کر اس نے صدر رحمین سے بھی ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ تم کو حق کی طرف ہونا چاہیئے اور

۳۳۔ تاریخ داودی صفحہ ۷۹

مظلوم کی مدد کرنی چاہیئے۔"

سلطان جلال الدین کے اس پیام اور اس کی بیکسی نے اعظم ہمایوں کے دل پر اثر کیا۔ اور وہ قلعہ کا محاصرہ ترک کر کے جلال الدین کے پاس چلا آیا۔ عہد و پیمان کے بعد یہ بات قرار پائی کہ پہلے علاقہ جونپور پر پورا پورا قبضہ کرنا چاہیئے پھر دوسری طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ سب سے پہلے حاکم اودھ پر اس نے چڑھائی کر دی۔ حاکم اودھ مقابلہ نہ کر سکا۔ اور وہاں سے بھاگ کر لکھنو آگیا اور اس نے سلطان ابراہیم کو ان تمام واقعات کی اطلاع کر دی۔ چنانچہ سلطان ابراہیم نے لشکر جرار ساتھ لے کر بروز پنجشنبہ تاریخ ۴ ذی الحجہ ۹۲۳ھ جونپور کی طرف کوچ کیا اور "بھوگاؤں" ہوتا ہوا قنوج پہنچا۔ اسی عرصہ میں اعظم ہمایوں نے غالباً اپنے بیٹے فتح خان کے کہنے سننے سے جو اس تمام فتنہ کا بانی اور سلطان ابراہیم کا مشیر تھا سلطان جلال الدین کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ لشکر ابراہیمی میں بمقام قنوج آکر مل گیا۔ سلطان ابراہیم نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ اس کے بعد اس نے بڑے بڑے امراء کی سرکردگی میں ایک زبردست لشکر تیار کر کے اس کو سلطان جلال الدین کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ سلطان جلال الدین اس طاقت کا بھلا کیونکر مقابلہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بغیر مقابلہ کے اپنا ملک چھوڑ دیا۔ اور اپنے بیوی بچوں اور دوسرے عزیزوں کو کالپی کے قلعہ میں چھوڑ کر "تیس[1] ہزار لشکر کے ساتھ جس میں کچھ ہاتھی بھی تھے"، سلطان ابراہیم کے لشکر سے گریز کر کے آگرہ کی طرف چل دیا۔

---

[1] تاریخ داؤدی۔ قلمی صفحہ ۸۰

سلطان ابراہیم کا کالپی اور آگرے پر قبضہ

سلطان ابراہیم کا لشکر بھی سلطان جلال الدین کے تعاقب میں کالپی پہونچا۔ اور اس نے تھوڑے ہی دنوں کے محاصرہ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ بہت سے جنگی قیدی ہاتھ آئے اور بہت سامال غنیمت اس کو ملا۔ شہر میں وہ لوٹ مار کی گئی کہ سارا شہر غارت ہو گیا۔ اسی عرصہ میں جب سلطان ابراہیم کو معلوم ہوا کہ اس کا بھائی دار السلطنت پر حملہ آور ہوا ہے تو اس نے ملک آدم کو جو سلطان سکندر کا معزز امیر اور شہر کا کوتوال تھا۔ ایک زبردست لشکر دے کر آگرہ کی طرف روانہ کیا۔ ابھی سلطان جلال الدین کالپی کے انتقام میں آگرہ میں دست درازی کرنے بھی نہ پایا تھا کہ ملک آدم وہاں پہنچ گیا اور اس نے سلطان جلال الدین سے چکنی چپڑی باتیں کر کے اس کو کچھ دنوں کے لئے سفاکی سے باز رکھا۔ کیونکہ ملک آدم کے پاس اتنی جمعیت نہیں تھی کہ جو سلطان جلال الدین سے مقابلہ ومقاتلہ کر سکتی۔ اس لئے کمک آنے تک اس نے یہی طریقہ ضروری سمجھا جس میں اس کو کامیابی ہوئی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک زبردست کمک پہنچ گئی۔ اس وقت اس نے سلطان جلال الدین کو غیر مشروط اطاعت کا پیغام دیتے ہوئے کہلا بھیجا۔ [۵۶]

> کہ اگر سلطنت کی ہوس دل سے نکال کر چتر آفتاب گیر۔ نوبت ونقارہ اور دوسرے شاہی نشانات سے دستبردار ہو جاوگے اور دوسرے امراء کی طرح سے زندگی بسر کرنے کے لئے

---

[۵۶] تاریخ داؤدی۔ قلمی صفحہ ۸۰

آمادہ ہو گئے تو سلطان ابراہیم سے میں تمہارا قصور
معاف کرادوں گا اور بدستور سابق تمہاری
جاگیر سرکار کالپی کو بحال کرادوں گا۔

سلطان جلال الدین کو اپنی کمزوری کا احساس تھا۔ اس لئے ملک آدم کی پیش کردہ شرائط کو اس نے منظور کر کے وہ جملہ نشانات شاہی اس کو بھجوا دیئے اور اس امید میں وہ وہاں ٹھہرا رہا کہ اس کے جواب میں بھائی کی طرف سے احسان و عنایات کا مژدہ اس کو بھیجے گا۔ لیکن جس وقت سلطان ابراہیم کو یہ نشانات بادشاہی بمقام اٹاوہ پیش کئے گئے تو بجائے معاف کرنے کے سخت سست الفاظ کہے۔ سلطان جلال الدین یہ سن کر سمجھ گیا کہ حالات سازگار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے وہ راجہ بکرماجیت بن راجہ مان والئی گوالیار کی پناہ میں چلا گیا۔ گوالیار پر قبضہ کرنے کی کوشش سلطان سکندر نے بھی کی تھی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اور راجہ گوالیار ایک حد تک آزادانہ حکمرانی کرتا تھا۔ بہرحال سلطان ابراہیم نے تھوڑے دنوں آگرہ میں قیام کر کے آگرہ اور دہلی کا انتظام کیا اور گوالیار کو سر کرنے کے بہانہ سے اعظم ہمایوں شروانی کو تیس ہزار سوار اور تین سو ہاتھی دے کر گوالیار کی مہم پر روانہ کیا تاکہ گوالیار بھی فتح ہو جائے اور بھائی بھی گرفتار ہو جائے۔

گوالیار کی ابراہیمی مہم اور جلال الدین کی گرفتاری اور اس کا قتل

اعظم ہمایوں شروانی اس لشکر جرار کو لیکر گوالیار پہنچا۔ سلطان جلال الدین اگرچہ وہاں پناہ گزین تھا لیکن اس کو خوب معلوم تھا کہ راجہ اس کی مدد نہیں کرے گا۔ بہرحال جب یہ لشکر

وہاں پہنچا جس کا مقصد صرف راجہ کو مطیع کرنا ہی نہیں تھا بلکہ سلطان جلال الدین کو گرفتار کرنا بھی تھا۔ اس لئے وہ وہاں سے روپوش ہو گیا۔ اور سلطان محمود شاہ گجرات کی پناہ میں چلا گیا۔

شاہ گجرات نے اس کے ساتھ بادشاہانہ سلوک تو دوسری چیز ہے انسانی سلوک بھی جائز نہ رکھا۔ سلطان جلال الدین دل برداشتہ ہو کر وہاں سے بھی چل دیا اور علاقہ "گڑھ کٹنگہ" میں پہنچا۔ وہاں وہ کس مصلحت سے گیا، مورخ اس کے لئے خاموش ہے۔ بہرحال وہاں سے لوگوں نے اس کو گرفتار کر کے سلطان ابراہیم کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے وہ سلوک بھی اس کے ساتھ روا نہ رکھا جو اس نے اپنے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ قلعہ "ہانسی" میں نظر بند کر کے کیا۔ بظاہر اس کو "ہانسی" کی طرف روانہ ضرور کیا لیکن اس کے ساتھ ہی راستہ میں کام تمام کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس کو راستہ ہی میں قتل کر دیا گیا

گوالیار کی مہم کو جزئی کامیابی ضرور ہوئی کیونکہ قلعہ کے نیچے جو راجہ مان نے ایک عالیشان عمارت بنوائی تھی اس کو بارود سے ڈھا کر لشکری قلعہ کے اس حصہ میں داخل ہو چکے تھے جو اس محل کی طرف تھا۔ لیکن قلعہ فتح نہیں ہوا۔ ممکن تھا کہ اگر یہی کوشش رہتی اور محاصرہ جاری رہتا تو فتح ہو جاتا۔ لیکن سلطان ابراہیم کی خودسری نے جو بھائیوں اور امراء کو زیر کرنے کے بعد اس میں پیدا ہو گئی تھی اس فتح سے محروم کر دیا۔ سلطان ابراہیم کی یہ پہلی اور آخری جنگ تھی۔ جس

کو کامیاب جنگ نہیں کہا جا سکتا۔ اور جو اس نے اپنے حدود ملک سے باہر لڑی۔ اس کے بعد چونکہ لودھی سلطنت کو مٹ جانا تھا اور سلطان ابراہیم کے ہاتھ سے مٹنا تھا اس لئے اس نے ایسی حرکات مذبوحی شروع کیں جنہوں نے افغانی سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں۔ حتیٰ کہ چند سال کے قلیل عرصہ میں سلطنت لودھی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

امراء دولت ابراہیمی کی پہلی بغاوت اور اس کا سبب

سلطان ابراہیم کے دربار کے شاہی پرانے امراء دولت تھے جو سلطان سکندر اور اس کے باپ سلطان بہلول کے بنائے ہوئے تھے جری، وفادار، ہوشیار اور نہایت درجہ کارگزار امراء تھے۔ اگر سلطان ابراہیم آدمیت سے گزر کر سفاکی کو اپنا شعار نہ بناتا تو اس کی سلطنت ایک بارونق اور پائندہ سلطنت ہوتی۔ لیکن سلطان ابراہیم نے حکومت کے نشہ میں تمام اصول سیاست و سلطنت کو پس پشت ڈال کر اس جماعت کو اپنا دشمن بنا لیا جو سلطنت کی پشت پناہ تھی۔

میاں بھوا کی قید و وفات

بغاوت کا پھیلانے والا خود سلطان ابراہیم تھا۔ کیونکہ اس نے سب سے پہلے محض اس خیالی قصور پر کہ میاں بھوا خدمت کی انجام دہی میں غفلت کرتے ہیں ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور ان کی جگہ ان کے بیٹے کو وہی منصب عطا کیا۔ میاں بھوا کا تفصیلی ذکر سلطان سکندر کے بیان میں کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں اس کے اعادہ

کی ضرورت نہیں۔ بہرحال میاں بھوا کا چند دنوں کے بعد ہی بحالت قید انتقال ہو گیا۔

اعظم ہمایوں کی گرفتاری اور قید

سکندری امراء میں سے یہ پہلا امیر تھا جو سلطان ابراہیم کی سفاکی کا شکار ہوا۔ چونکہ اس کے لڑکے خانخاناں دلاور خان کو منصب وغیرہ دے کر اس کی اشک شوئی کر دی گئی تھی اس لئے بظاہر کوئی فتنہ نہ اٹھ سکا۔ لیکن بہرحال اس ظالمانہ عمل سے امراء میں بے اطمینانی ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ غرضکہ گوالیار کی مہم جاری تھی۔ بڑے بڑے امراء اس مہم میں مصروف تھے۔ اعظم ہمایوں شروانی بھی اسی مہم میں مشغول تھے۔ ہنوز گوالیار سر نہیں ہوا تھا۔ لیکن بہت جلد قبضہ ہونے کی امید ضرور تھی کہ اسی عرصہ میں سلطانی فرمان پہنچا کہ محاصرہ اٹھا دیا جائے اور امراء دولت معہ افواج کے واپس آجائیں۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی تھیں۔ ایک یہ کہ بھائی کی گرفتاری اور اس کے خاتمہ کا جو اصل مقصد تھا وہ پورا ہو چکا۔ دوسرے اس کو یہ بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہوگا کہ میاں بھوا کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا کہیں امراء میں اس سے ناراضگی نہ پیدا ہو اور وہ معہ ان افواج کے جو گوالیار میں ان کے ساتھ ہیں بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔ بہرحال وجہ کچھ ہو وہ مطیع وفرمانبردار وجاں نثار سردار بے چون وچرا گوالیار سے واپس ہو کر حاضر دربار ہو گئے۔ سلطان ابراہیم نے سب کو قید کر دیا۔ ان امراء میں سب سے ممتاز امیر اعظم ہمایوں شروانی بھی تھے۔ جنھوں نے اپنی جاں نثاری اور

وفاشعاری کا ثبوت مرتے دم تک دیا۔ اور جانی و مالی قربانی سے مطلقاً دریغ نہیں کیا۔ اس گرفتاری اور قید نے جو بلا قصور اور بلا سبب تھی آخر کار انتقام کا شعلہ بھڑکا دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے اعظم ہمایوں کے بیٹے اسلام نے علم بغاوت بلند کیا اور اس نے چند امراء مقتدر کو جن میں سعید خان لودھی بھی تھا اپنا ہمنوا کر کے علاقہ لکھنؤ میں آکر فتنۂ عظیم برپا کر دیا۔ سلطان نے کم و بیش (۱۲) امراء کی سرکردگی میں لشکران باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا چنانچہ بانگرمئو متصل قنوج کے نواح میں باغیوں سے شاہی فوج کی مڈبھیڑ ہوئی۔ باغی جیتے اور سلطانی فوج ہاری۔ سلطان نے جب یہ سنا تو اس نے مزید کمک دوسرے سرداروں اور امیروں کی سرکردگی میں اس طرف روانہ کر کے حکم دیا:۔ ؎۵

"اگر تم نے اس علاقہ کو باغیوں سے نہ
لیا تو میں تم کو زندہ نہ چھوڑوں گا"

بہرحال بادشاہ کی یہ ٹڈی دل فوج باغیوں کی سرکوبی کے لئے میدان کارزار میں پہنچ گئی۔ اسلام خان نے بھی مقابلہ کے لئے چالیس ہزار سوار اور پانچ سو ہاتھی جمع کر لئے تھے۔ قریب تھا کہ فوجیں دست و گریباں ہو جائیں کہ شیخ راجو بخاری۔ جو اپنے وقت کے ممتاز اولیاء میں سے تھے اور اس وقت قنوج میں تھے۔ درمیان میں پڑے اور انھوں نے "باغیوں" کو نصیحت کر کے اس قتل و

؎۵ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۸۲

؎۶ ان بزرگ کا مزار بمقام "اُچ" ریاست بہاولپور میں ہے۔ اخبار الاخیار

خون سے روکا۔ باغیوں نے وجہ بغاوت عرض کرتے ہوئے عرض کیا[۹]

"اگر سلطان اعظم ہمایوں کو رہا کر دے تو ہم
نہ صرف بغاوت ختم کر دیں گے بلکہ کسی
دوسرے بادشاہ کے ملک میں چلے جائیں گے"

سلطان ابراہیم نے اس معقول شرط کو ٹھکرا دیا۔ اور مزید فوج بہار وغیرہ کی طرف سے بھجوا کر تمام 'باغیوں' کا قلع قمع کر دیا۔ اسلام خاں معرکہ میں کام آیا۔ سعید خاں لودھی گرفتار ہوا۔ اور دوسرے امراء بھی یا مارے گئے یا گرفتار ہوئے۔ غرضکہ امیروں کی کافی تعداد ختم ہونے کے بعد یہ فتنہ ختم ہو گیا۔ مگر اس کے خاتمہ سے ملک کے دوسرے حصوں میں فتنہ کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ دور دراز خطہ بہار کے حاکم نے اعلان بغاوت کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ سلطان ابراہیم کی زیادتیوں نے ملک کی حالت کو ابتر کر دیا۔ سلطان سکندر کا وہ ملک جو امن چین کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس میں امن چین کا اب کوسوں پتہ نہیں تھا۔ امراء یا تو قید کر دیئے گئے اور یا مار ڈالے گئے۔ اور جو دور دراز مقامات میں تھے یا وہ خود مختار ہو گئے یا بیرونی حملے کے لئے سازش و کوشش کرنے لگے۔

میاں حسین و میاں معروف کی گرفتاری کی تدبیر

میاں حسین قرملی بھی سکندری امراء میں سے تھا۔ انتہائی بہادر، جاں نثار اور دلیر امیر تھا۔ یہ مشہور زماں میاں طہٰ کا بھائی تھا۔ اس کے قتل کی جب سب تدبیریں ناکام ہوئیں تو اس نے میاں ماکھن کی ماتحتی میں ــــ جو اس سے کم مرتبہ امیر تھا ــــ اس کو اور

---

۹ تاریخ داؤدی۔ قلمی۔ صفحہ ۹۸

میاں معروف کو رانا سنگا والئی میواڑ کی سرکوبی یا مقابلہ کے لئے بھیجا جس نے مالوہ میں ادھم مچا کر "چندیری" اور "بھیلسہ" پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس مہم کا مقصد وہ نہیں تھا جو ظاہر کیا تھا بلکہ میاں ماکھن کے نام خفیہ فرمان تھا کہ :- [1]

جس طرح ممکن ہو میاں حسین اور میاں معروف کو گرفتار کر دو۔

میاں حسین نیز دوسرے امراء سکندری اچھی طرح سے سلطان ابراہیم کی پالیسی کو سمجھ چکے تھے اس لئے اس کی ہر حرکت سے باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ میاں حسین اس خفیہ فرمان سے باخبر تھے اور میاں ماکھن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ ایک روز میاں ماکھن اس بہانہ سے اپنے ڈیرہ سے میاں معروف کے ڈیرے پر پہنچے کہ ان کے لڑکے کے مرنے کی تعزیت ادا کریں۔ میاں حسین کو معلوم ہو گیا چنانچہ وہ بھی فوراً وہاں آموجود ہوئے۔ اور انھوں نے میاں ماکھن سے کہا :- [2]

"میاں ماکھن! میاں معروف کی گرفتاری کے خیال کو دل سے نکال دو۔ ہم نہ کسی کے ماتحت ہیں نہ ملازم۔ اٹھو اور اپنے گھر جاؤ۔ ہمارا بادشاہ تو پاگل ہو گیا ہے تم کو آخر کیا ہو گیا ہے۔"

میاں حسین کے کہنے پر میاں ماکھن اپنی قیام گاہ پر آئے اور انھوں

[1] تاریخ داؤدی قلمی صفحہ ۸۴

[2] " " "

نے تدبیر کی ناکامی کی پوری تفصیل سلطان کو لکھ کر بھیج دی۔ وہاں سے ایک عتاب نامۂ شاہی مع ہدایت مزید موصول ہوا جس میں لکھا تھا:[12]

"تو دوسرے کے ڈیرے پر کیوں گیا۔ تجھ کو چاہیئے کہ میدان میں ایک سراپردہ نصب کرا اور جملہ امرا کو حاضری کے لئے یہ کہہ کر حکم دے کہ فرمان شاہی آیا ہے۔ یہاں آکر اس کے سننے کی عزت حاصل کرو۔ جب سب آجائیں تو پہلے میاں حسین کو گرفتار کر۔ اس کے بعد میاں معروف کو اور ان کو فرمان دکھا دے کہ فرمان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔"

بہرحال میاں ماکھن نے حسب ارشاد عمل کیا۔ لیکن میاں حسین نے اس تدبیر کو بھی خاک میں ملا دیا۔ کیونکہ پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آکر انھوں نے خیمے اور سراپردہ کو ڈھا دیا جس میں میاں ماکھن مع ایک جمعیت کے گرفتاری کے ارادے سے بیٹھے تھے۔ اور اس کے بعد انھوں نے میاں ماکھن سے یہ سن کر کو فرمان سنانے کا حکم سراپردے کے اندر ہی تھا۔ کہا:[13]

"تیرا جو کچھ ارادہ ہے وہ محال ہے۔ ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ یہ لشکر ہمارے لئے آیا ہے ہماری جان بادشاہ کے کام کے لئے ہے۔ اس ذلت سے ہم جان نہیں دے سکتے ہیں۔"

[12] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۸۴ [13] تاریخ داودی صفحہ ۸۴

اس کے بعد میاں حسین وہاں سے چل دیئے۔ اور سیدھے رانا کی فوج میں جاکر شامل ہو گئے۔ اور رانا کے لشکر کو ہمراہ لے کر انھوں نے سلطانی لشکر کا مقابلہ کیا جس میں بہت سے سلطانی سردار اور سپاہی مارے گئے۔ میاں حسین کی وجہ سے رانا کی فوج کو فتح اور سلطانی فوج کو ہزیمت ہوئی۔ میاں حسین نے "بیانہ" تک اس فوج کا پیچھا کیا۔ "بیانہ" کا حاکم دریا خاں بھی اس معرکے میں کام آیا۔ بہر حال سلطان کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور میاں حسین کو مجبوراً علم بغاوت یا مخالفت بلند کرنا پڑا۔

بہر حال سلطان ابراہیم نے جب یہ حال سنا تو وہ خود آگرے سے ایک لشکر لے کر "رانا" کی فوج کے مقابلے کو چلا۔ جب دونوں فوجیں "بیانہ" کے میدان میں آمنے سامنے ہوئیں اس وقت سلطان کو مخالف کی طاقت کا اندازہ ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ فوجیں رانا کی تھیں لیکن جو جذبہ ان میں کام کر رہا تھا وہ میاں حسین کا جذبہ تھا جس نے سلطانی افواج کو بھی شکست دی۔

غرض کہ اس سلطانی ہزیمت کو دیکھ کر میاں حسین کے قومی اور مذہبی جذبے نے ان پر سخت ملامت کی اور وہ دل میں سخت پشیمان ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بھائی میاں طٰہٰ[۱۴] سے اظہار پشیمانی کرتے ہوئے کہا۔[۱۵]

"اب بڑھاپا ہے۔ یہ مناسب نہیں تھا کہ آخری

۱۴؎ یہ وہی مشہور سکندری امیر تھے جو ہنر مندی میں لاثانی تھے۔ اور اپنے وقت کے عالمگیر فن دان تھے۔ جن کا ذکر سلطان سکندر کے بیان میں آچکا ہے۔

۱۵؎ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۸۵

عمر میں کافر سے مل کر مسلمانوں کا خون بہاتا...
... مگر میرا مطلب یہ تھا کہ وہ (سلطان) ہم
کو پہچانے اور ہماری قدر جانے۔ اور اپنی
صلاحیت سے میں اس پر یہ ثابت کردوں کہ
اس کے باپ سکندر نے اسی قابلیت اور
صلاحیت کی بنا پر ہم کو سپاہی کے درجے سے
ترقی دیکر امارت تک پہنچایا۔...... میری
طرف سے سلطان کی خدمت میں جاکر عرض
کردو کہ سید خاں یوسف خیل اور فتح خاں
پسر اعظم ہمایوں کو قید سے رہا کردے۔ میں
اس کے بعد بالکل مخالفت نہیں کروں گا"

میاں طٰہٰ یہ التماس لے کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوئے سلطان ابراہیم نے اظہار خوشنودی کیا اور درخواست منظور کرتے ہوئے دونوں امیروں کو قید سے رہا کردیا۔

سلطان ابراہیم ان کینہ پرور بادشاہوں میں سے تھا جس کی بارگاہِ دل میں معافی اور توبہ کے لئے گنجائش نہیں تھی۔ یہ جو کچھ اس نے کیا تھا اس سے مقصد وہی ایک تھا یعنی میاں حسین کی گرفتاری یا قتل۔ تھوڑے دنوں کے بعد میاں حسین نے راناسے علیحدگی اختیار کی اور سلطان کے اطمینان دلانے پر وہ آگرہ آگئے۔ سلطان نے ظاہری آؤ بھگت کی اور چندیری (مالوہ) کو بطور جاگیر ان کو عطا کیا۔ اس موقع

پر میاں طٰہٰ نے اپنے بھائی میاں حسین سے کہا:۔ ۱۶ھ

"سلطان ابراہیم بادشاہ کینہ ور ہے اس لئے
دور دراز صوبے میں تم کو جانا چاہیئے"۔

مگر محض "رانا" سے مقابلے اور مقاتلے کی خاطر میاں حسین نے مالوہ منتخب کیا۔ فی الحقیقت ان کا وقت پورا ہو چکا تھا اس لئے باوجود بھائی کے صحیح مشورے کے انھوں نے "چندیری" جانا پسند کیا۔ تھوڑے دن بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ سلطان ابراہیم نے:۔ ۱۷ھ

اپنے ایک مقرب خاص شیخ فرید دریابادی
کو ایک سو اشرفیاں اور دس گاؤں عطا
کر کے میاں حسین کا کام تمام کرنے پر نامزد کیا۔

چنانچہ شیخ فرید نے "چندیری" پہنچ کر وہاں کے شیخ زادوں کو جن کی کل تعداد "بارہ ہزار" بتائی جاتی ہے۔ سلطانی انعام واکرام کا لالچ دے کر میاں حسین کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ میاں حسین کے بھتیجے شیخ جمال کو قتل سے ایک روز پہلے اس سازش کا حال معلوم ہو گیا تو اس نے چچا کو اس سے مطلع کرتے ہوئے حزم واحتیاط کا مشورہ دیا۔ میاں حسین یہ سنکر مسکرائے اور جواب دیا:۔ ۱۸ھ

"خدا کا شکر ہے کہ میرا بھتیجا اس لائق ہوا کہ
وہ مجھے نصیحت کرے۔ کو کناریوں کی اس جماعت

۱۶ھ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۸۷

۱۷ھ " " "

۱۸ھ " " "

کی کیا مجال ہے کہ غداری کر سکے۔ اگر میں ان پر تھوک
دوں گا تو بہت سے بھسم ہو جائیں گے۔ کل تم
تماشا دیکھنا کہ انشاء اللہ میں کیا کرتا ہوں۔"

بہرحال اس زعم باطل میں میاں حسین مبتلا رہے اور انھوں نے دشمنوں کو حقیر جان کر بھتیجے کے مشورے کو ٹھکرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو وقت موعود پر اس جماعت نے مکان پر یورش کی۔ میاں حسین نے اپنی پوری طاقت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن افسوس کہ اجل آچکی تھی۔ اس مظاہرے نے شیخ زادوں کی یورش کے مقابلے میں کچھ کام نہ کیا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ مرتے وقت میاں حسین نے اپنے وکیل حسن علی کو وصیت کی:[19]

"میری طرف سے سلطان سے کہنا کہ میں تیری
طرف سے صاف تھا۔ البتہ تیرے دل میں کینہ
تھا۔ مجھ کو بھی مرنا ہے اور تجھ کو بھی۔ میرا اور تیرا
انصاف خدائے عادل کے سامنے ہو گا۔"

یہ آخری جملہ زبان سے نکلا ہی تھا کہ دشمن نے ایک پتھر میاں حسین کے سر پر۔ جو زخموں سے پہلے ہی چور تھا۔ ایسا مارا کہ میاں حسین کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس بہادر نے بحالت سکرات بھی طاقت کا وہ مظاہرہ کیا جس کی مثال کم ملتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔[20]

"بحالت سکرات اس پتھر مارنے والے پر تلوار کا
ایسا وار کیا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔"

---

[19]: تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۸۸

[20]: " " "

قدرت نے ان شیخ زادوں سے یہ انتقام لیا کہ میاں حسین کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد راناؔ نے ان شیخ زادوں پر چڑھائی کر کے تقریباً سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

امراء ابراہیمی کی عام بغاوت اور بادشاہ بابر کو دعوت

ایسے ایسے عظیم الشان جاں نثاروں کو قید و قتل کر کے سلطان ابراہیم نے خود اپنی سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں۔

کسی امیر کو اس پر بھروسا نہیں تھا۔ ہر امیر بدگمان تھا۔ جو پاس تھے وہ تو بدگمان تھے ہی۔ لیکن جو دور تھے وہ نہ صرف بدگمان تھے بلکہ لودھی یا بالفاظ دیگر "قومی سلطنت" کے خاتمے ہی کی فکر میں تھے۔ بہار کے حاکم پہاڑ خاں ولد دریا خاں نے تقریباً ایک لاکھ کی جمعیت اکٹھی کر کے نہ صرف اعلان بغاوت کیا بلکہ خود مختار ہو کر اس نے سلطان محمد لقب اختیار کیا اور اپنا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔ اور اس طرح مرکز سے علیٰحدہ ہو گیا۔

دولت خاں بن تاتار خاں حاکم لاہور باوجود شاہی طلبی کے حاضر دربار نہ ہوا اور اس نے اپنے بیٹے دلاور خاں کو بھیج دیا۔ جس نے ابراہیمی تلون مزاجی اور ظلم و ستم کو دیکھ کر سیدھا کابل کا راستہ اختیار کیا اور اس نے ملک کی حالت کا نقشہ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ دولت خاں بھی اسی ارادے سے بجانب کابل لاہور سے روانہ ہوا لیکن وہ راستے ہی میں بہ قضائے الٰہی فوت ہو گیا۔ غرضکہ بعض امراء بیرونی حملہ آور کو دعوت دے رہے تھے اور بعض دوسرے جو قومی تخت و تاج کے وفادار تھے انھوں نے سلطان بہلول کے بیٹے شاہزادہ عالم خان کو، جو گجرات

میں سلطان مظفر کے پاس پناہ گزیں کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، سلطان علاؤالدین کا لقب دیکر سلطان ابراہیم کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کو اس کوشش میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ لہذا مجبوراً ان باقیماندہ امراء نے بھی سلطان بابر کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دے دی اور وہ توکل بخدا اپنی فوج ظفر موج لے کر ہندوستان پر چڑھ آیا۔

امراء لودھی اور دہلی کا محاصرہ

بیرونی حملے کی تیاری اور اندرونی بے چینی اُس حکمران اور اس کی حکمرانی کے لئے اجل کا پیام ہے جو یہ صورت حال اپنے اعمال سے پیدا کر دے۔ غرض کہ امراء لودھی نے جس وقت بابر کے آنے کی خبر سنی تو انھوں نے بھی تیاری شروع کر دی جو بیرونی دشمن کے مقابلے کے لئے نہیں تھی بلکہ اندرونی دشمن، کے خاتمے کے لئے تھی۔ چنانچہ سلطان ابراہیم کی آگرے سے روانگی کے بعد ہی امراء لودھی نے کم و بیش تیس چالیس ہزار سواروں کی جمعیت سے دہلی پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس باغی لشکر کے سرگروہ[۲۱] عالم خاں، دلاور خاں، محمود خاں بن خانجہاں خاں اور اسمعیل خاں جلوانی تھے۔ جنھوں نے متحد و متفق ہو کر سلطان ابراہیم کے خلاف بغاوت کر دی۔

سلطان ابراہیم کو جب اس کھلم کھلا بغاوت کی خبر ہوئی تو اس نے پہلے اس فتنے کو دفع کرنا ضروری سمجھا اور وہ دہلی کی طرف متوجہ ہوا جب یہ دہلی پہنچ گیا تو باغیوں کے سرداروں نے باہم مشورت کر کے یہ طے

[۲۱] تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۹۲

کیاکہ بادشاہ کی فوجوں سے کھلے میدان میں لڑنا عقل کے خلاف ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ رات کو چھاپہ مارا جائے اور اس طرح شاہی فوج کو کمزور اور پراگندہ کردیا جائے۔ چنانچہ اسی پروگرام اور اسکیم پر عمل کیا گیا جس سے خاصی پراگندگی شاہی فوج میں پھیل گئی۔ لیکن باوجود اس کے سلطان ابراہیم نے نہایت استقلال سے کام لیا اور صبح تک اس نے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا اور اپنے "محل" میں معہ چند "خاصہ فیل" کے صبح کا انتظار کرتا رہا۔ صبح ہوتے ہی اس نے "باغیوں" کے اعمال کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ وہ لوگ اپنی "محنت شب" کے ثمرے کے درپے ہیں اور لوٹ کے مال کے جمع کرنے میں ادھر اُدھر مصروف ہیں۔ چنانچہ جوں ہی اس کی نظر عالم خاں پر پڑی جو اپنے چند ہمراہیوں کو لئے ہوئے "قلب لشکر" میں تھا۔ تو اس نے فوراً ہی بذات خود عالم خاں پر حملہ کردیا۔ عالم خاں مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگا۔ اس کا بھاگنا تھا کہ جتنے ادھر اُدھر لوٹ میں مشغول تھے ان کے بھی پیر اکھڑ گئے اور جدھر جس کے سینگ سمائے وہ ادھر چلا گیا۔ کچھ امرا بھاگ کر سلطان بابر سے جاکر مل گئے کچھ اپنی جانیں بچاکر پہاڑی علاقے میں جا چھپے۔ دہلی کی بغاوت مٹانے کے بعد اب سلطان ابراہیم نے اس مقابلے کی تیاری کی جس پر قومی و ذاتی موت وحیات کا دار و مدار تھا۔

سلطان ابراہیم کا نجومیوں سے استصواب اوران کا ذومعنی جواب

ادھر سلطان ابراہیم اپنے لشکر کو درست کرکے دہلی سے جانب سرحد روانہ ہوا تاکہ سلطان بابر کو دہلی تک نہ آنے دے۔ اور ادھر سلطان بابر نے امراء کی عام بغاوت اور شاہی نظام کی کمزوری

کی حکایتیں سنکر دہلی کی جانب کوچ کیا۔

سلطان ابراہیم کو اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کے اعمال اس کے سامنے تھے۔ اور امراء کا ایک ایک کر کے اس سے علیٰحدہ ہو جانا اس کی ہزیمت اور موت کا کھلا ہوا پیام تھا۔ لیکن بقول کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے، کوچ کرنے سے قبل اس نے نجومیوں کی حاضری کا حکم دیا تاکہ وہ "زائچہ" دیکھ کر یہ بتائیں کہ فتح کس جانب ہے۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور زائچہ دیکھا گیا۔ چنانچہ انھوں نے جواب عرض کیا:۔[۳۴]

"ستاروں کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تمام گھوڑے اور ہاتھی مغل کے لشکر میں چلے گئے۔"

ناعاقبت اندیش سلطان ابراہیم نے "زائچے" کا یہ نتیجہ سن کر اس کو اپنی فتح سے تعبیر کیا، کیونکہ اس کے نزدیک گھوڑوں اور ہاتھیوں کے مغل کی طرف چلے جانے کے یہ معنی تھے کہ مغل کے لشکر پر غلبہ ہو جائیگا۔ حالانکہ نجومیوں کے کہنے کا صاف مقصد یہ تھا کہ یہ سب جانور مخالف کے قبضے میں آجائیں گے۔ غرض کہ یہ نتیجہ سنتے ہی جو کچھ معاونین ہمراہ تھے ان میں سے بھی اکثر پہلو بچا کر چل دیئے۔ حتیٰ کہ نجومیوں میں سے بھی جو دانش مند تھے انھوں نے اپنے گھر کی راہ لی۔ باقی جو ساتھ گئے وہ لقمۂ اجل بنے۔ سونی پت تک پہنچتے پہنچتے اکثر افغان بھاگ کر بابر بادشاہ کی طرف چلے گئے۔

---

[۳۴] تاریخ داودی۔ صفحہ ۹۳

ہمایوں اور حمید خاں کی مڈبھیڑ اور حمید خاں کی شکست

سلطان ابراہیم کا خاصہ فیل سلطان کی مدد کے لئے ایک معقول جمعیت کے ساتھ حصار فیروزہ سے چلا۔ راستے میں بابر کے بیٹے ہمایوں کی جمعیت مزاحم ہوئی۔ دونوں میں مقابلہ و مقاتلہ ہوا۔ حمید خاں کو شکست ہوئی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اور اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ ہمایوں کامیاب و کامراں اپنے باپ کے لشکر میں واپس آیا۔

پانی پت کا میدان اور بابر۔ ابراہیم کی فوجوں کی تعداد اور دونوں میں جھڑپیں

سلطان ابراہیم نے اس ابتدائی ہزیمت کا کچھ اثر نہیں لیا اور اس نے اپنا ہراول دستہ جو پانچ یا چھ ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ اپنے ایک امیر داؤد خاں کی سرکردگی میں آگے روانہ کیا۔ دوسری طرف سے بابر بادشاہ بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابلے کے لئے بڑھا۔ غرض کہ ۳۰ جمادی الاول یوم پنجشنبہ ۹۳۲ھ دونوں طرف کی فوجیں پانی پت کے میدان میں آ پہنچ گئیں اور عملاً مقابلہ شروع ہو گیا۔ بابر بادشاہ کے لشکر کی تعداد پندرہ ہزار سوار و پیدل اور کچھ ہاتھی بتائی جاتی ہے اور سلطان ابراہیم کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی کہی جاتی ہے۔ تعداد کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ ایک اور سات کی نسبت ہوتے ہوئے بابر بادشاہ کی فتح کے کوئی معنی نہیں تھے۔ مگر اس جنگ میں جو کم تعداد کو حیرت انگیز فتح ہوئی اس کا سبب مغلوں کی غیر معمولی قوت اور دلیری نہیں تھا اور نہ

ھ۲۳ تاریخ داودی۔ صفحہ ۹۳

اصول جنگ کی واقفیت تھی بلکہ با دل ناخواستہ مدافعت کرنے والوں کی وہ کچلی اور پامال کی ہوئی روح تھی جو سلطان ابراہیم کے ظالمانہ پنجے سے نجات چاہتی تھی۔ بہر حال فریقین میں ایک ماہ اور کچھ روز تک مختلف چھوٹی بڑی جھڑپیں ہوتی رہیں جو محض طاقت آزمائی کے لئے تھیں اور آخری اور فیصلہ کن جنگ کا پیش خیمہ۔

بابر و ابراہیم کا مقابلہ اور ابراہیم کا قتل

ان معمولی جھڑپوں کے بعد ابراہیم اور بابر دونوں نے اپنی اپنی فوجوں کی کمان سنبھالی اور آٹھویں رجب یوم جمعہ ۹۳۲ھ کو میدان میں کود پڑے۔ بابر نے جنگی اصول سے کام لے کر اپنی فوجوں کے تین حصے کئے۔ ایک حصہ ہراول کو بالکل سامنے رکھا اور باقی دونوں حصوں کو میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کر کے سلطان ابراہیم کے عقب کے لئے متعین کیا اور جنگ شروع کر دی۔ سلطان ابراہیم کا لشکر اگرچہ تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ مگر بد دلی نے ان کی جرأت و بہادری بالکلیہ سلب کر لی تھی۔ غرض کہ وہ گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ اس موقع پہ سلطان ابراہیم کے ایک مقرب نے فوجوں کی بد دلی کا حال دیکھتے ہوئے عرض کیا۔[۲۱]

"میرے نزدیک اس وقت اسی میں مصلحت
ہے کہ اس دفعہ اس جنگ سے درگزر فرمائیں
اس کے بعد جو تدبیر مناسب ہو اس پر عمل فرمائیں۔"

مگر ضدی سلطان ابراہیم نے اس بہتر مشورے کو بھی ٹھکرا دیا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اس نے اپنے اور اپنی حکومت کے خاتمے کا فیصلہ

۲۱ے تاریخ داودی۔ صفحہ ۹۴

کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا: ۲۵ھ

"تجھے معلوم نہیں ہے کہ بادشاہوں کے خیمے
سُرخ نصب کئے جاتے ہیں جو بادشاہوں
کی سرخروئی کی علامت ہے۔ ہم نے اس
کو اپنے خون سے سرخ کیا ہے۔ اس لئے
اب ہم کہاں جا سکتے ہیں۔ سرخرو بن کر اب
زرد رو کیوں بنیں۔"

دگر سوئے رد یم آں خود نہ مردی ست ؛ نہ کار سرخرویاں روئے زردی ست

غرض کہ اسی استقلال اور ہمت کی قربان گاہ پر وہ نثار ہو گیا اور عین معرکہ کارزار میں بتاریخ ۸ رجب ۹۳۲ھ مارا گیا۔ اس کے ختم ہوتے ہی جنگ اور حکومت لودھی ختم ہو گئی۔

ایک ہندی شاعر نے جس کا اس معرکے میں سلطان کے ساتھ ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کے واقعہ کو حسب ذیل چوپائی میں نظم کیا ہے: ۲۶ھ

نو سے اوپر تھا تیبا ؛ پانی پت میں بھارت دیا
ساتویں رجب آیت ڈلرا ؛ بابر جیتیا برا ہم ہارا

(ترجمہ: رجب نو سو کے اوپر بتیس تھے یعنی ۹۳۲ھ میں۔ پانی پت میں جنگ ہوئی۔ ساتویں رجب اتوار کے دن۔ بابر کو فتح ہوئی اور ابراہیم نے شکست کھائی۔

اس شاعر نے بجائے ۸ رجب کے جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں ۷ رجب لکھی

۲۵ھ تاریخ داؤدی۔ صفحہ ۹۴
۲۶ھ " " "

ہے۔ میری رائے میں چوپائی کی نقل کرنے والے سے جہاں اور بہت سی الفاظ میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ جیساکہ تاریخ داؤدی کے اس قلمی نسخے سے ظاہر ہے۔ وہاں اس میں بھی وہ غلطی کر گیا ہے نحر کے اعتبار سے "اٹھویں" اور "ساتویں"، دونوں کے وزن برابر ہیں: بہرحال صحیح تاریخ ۸ رجب ہی ہے۔

سلطان ابراہیم کے قتل کے متعلق مختلف روایات

سلطان ابراہیم کے قتل کے متعلق روایات میں کافی اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ عین معرکۂ کارزار میں جہاں اور ہزاروں جنگجو نذرِ اجل ہوئے یہ بھی وہیں افغانوں کے ساتھ کام آیا۔ اور جب مقتولین کی صف میں کسی نے اس کی نعش کو پہچانا تو اس نے اس کا سر تن سے جدا کر کے بابر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

صاحب تاریخ داؤدی ایک معتبر راوی کے حوالے سے:[۲۷]

"جس کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی اور جس کا بیان یہ تھا کہ وہ لڑائی کے دن سلطان ابراہیم کے ساتھ تھا۔

یہ روایت نقل کرتا ہے کہ لشکر کی ہزیمت کے بعد جب سلطان ابراہیم پانی پت سے شکست کھا کر اپنے کیمپ کی طرف جو جمنا کے کنارے تھا روانہ ہوا:[۲۸]

تو وہ اس روز عرب مشکی گھوڑے پر تھا اور

[۲۶] خزینۃ العلوم مولفہ منشی درگا پرشاد شاد نے اس قطعہ کو یوں نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اٹھویں رجب جمعہ کا دن لکھا ہے۔

نو سو اوپر تھا تیسا ؛ پانی پت میں کھلت دلیہا
اٹھویں رجب وار سکرولا ؛ بابر جیتا براہم ... ہارا

[۲۷] تاریخ داؤدی صفحہ ۹۴

بادشاہی لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ کچھ
سوار بھی ساتھ تھے۔ دریائے جمنا کے کنارے
پہنچ کر دہریانہ، کے قریب جو پانی پت کا
ایک موضع ہے اس نے چاہا کہ ندی کو پار
کر کے اس دوآبے میں پھر سے لڑائی کی تیاری
کرے۔ لیکن باوجود تلاش کے اس کو پار
اترنے کے لئے کشتی دستیاب نہ ہوئی۔ آخر
مع ہمراہی سواروں کے اس نے اپنے گھوڑے
کو دریا میں ڈال دیا۔

اس راوی کا بیان ہے کہ جس وقت دریا میں کودا تو یہ کنارے پر کھڑا دیکھ رہا تھا چنانچہ اس نے دیکھا کہ:۔ ۲۹ے

سلطان ابراہیم مع اپنے شاہانہ لباس اور
گھوڑے کے دہریانہ، گھاٹ کی نذر ہو گیا۔

میری رائے میں یہ روایت تنقید و تبصرہ کی محتاج ہے اول یہ کہ معتبر راوی، کا کنارے پر کھڑا رہنا اور اپنے بادشاہ کے ڈوبنے کا تماشا دیکھنا قرین عقل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ابراہیم کو اگر میدان جنگ سے بھاگنا ہوتا تو وہ معرکے کی ابتدا ہی میں بھاگتا۔ دراں حالیکہ اس کو دشمن کے مقابلے میں اپنی جماعت کی کمزوری کا علم و احساس ہو چکا تھا۔ لیکن اس وقت باوجود مشورے کے اس نے منہ موڑنے کو بہادری کے خلاف سمجھ کر سرخ روئی، یا بالفاظ دیگر زخمی ہو کر مرنے کو ترجیح دی۔ ایسا ویر

۲۹ے تاریخ داودی صفحہ ۹۵

سپاہی کسی حالت میں بھی پیٹھ پر گولی یا تلوار کا زخم کھانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پہلی روایت ہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس نے لڑتے مرتے اپنی جان دے دی۔ اور کامل ۸ سال ۸ ماہ ایک یوم حکومت کر کے وہ اس دنیا سے چل بسا اور لودھیوں کی ۷۴ سال کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر گیا۔

عہد ابراہیمی میں ملک کی معاشی حالت

یہ عجیب حیرت انگیز حقیقت ہے کہ ملک کی بے چینی اور خلفشار کے باوجود ملک کی معاشی ابتری نہیں ہوئی۔ یہ کہنا کہ سلطان ابراہیم کے حسن انتظام کا یہ نتیجہ تھا قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ اس کی آٹھ سالہ شاہی زندگی بھائیوں اور امیروں کے خلاف سازش ہی میں گزر ی۔ اس نے البتہ ایک عام حکم یہ جاری کیا تھا:۔ [۵۳۰]

”کوئی امیر اور جاگیردار مال گزاری میں سوائے پیداوار زمین کے زرنقد نہ وصول کرے۔“

اس میں بھی امیروں اور جاگیرداروں کی مخالفت کا پہلو نمایاں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے کسان طبقے کو آسانی ہو گئی ہوگی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ:۔ [۵۳۱]

سونا اور چاندی کمیاب ہو گیا۔

وہی چیز کمیاب ہو گئی جو ملک کی معاشیات کی پشت پناہ ہوا کرتی ہے۔ فی الحقیقت نقد و جنس کا توازن ہی ملک کی معاشی حالت کو برقرار اور بحال رکھ سکتا ہے۔ اسی لئے اگر سکے کی بہتات اور قوت خرید زیادہ ہو

---

۵۳۰ تاریخ داؤدی صفحہ ۹۵

۵۳۱ 〃 〃 ۹۶

لیکن سامان خریداری منڈی میں نہ ہو تو قوت خرید لایعنی شے ہو جائے گی۔ غرض کہ افراط ہو یا تفریط وہ معاشیات کی معاون نہیں ہو سکتی ہے۔

تاریخ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ عہد ابراہیمی میں کم و بیش ہر ضرورت کی چیز بے حد ارزاں تھی۔ اس میں شک نہیں کہ سلطان سکندر کی خوش انتظامی اور توجہ نے بھی ملک میں ضرورت کی اشیا کو ارزاں کر دیا تھا۔ لیکن عہد ابراہیمی میں بقول[۳۳]

> غلہ۔ کپڑا اور تمام اجناس اس قدر ارزاں ہو گئے تھے کہ اتنے کسی زمانے میں نہیں ہوئے تھے۔ صرف سلطان علاؤالدین خلجی کے آخر زمانے میں ایسا ہوا تھا۔ لیکن علاؤالدین کے زمانے میں بھی بڑی دقتوں اور سختیوں سے یہ ہو سکا تھا۔

اس ارزانی کی سب سے بڑی وجہ قدرت کی مہربانی بتائی جاتی ہے۔ کیونکہ تقریباً ہر سال بروقت، موزوں اور مناسب بارش نے جو عموماً تمام ملک میں ہوتی کھیتوں کو مالامال کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ جس کھیت میں دو من غلہ پیدا ہوتا تھا۔ اس میں چار من پیدا ہونے لگا۔ غرض کہ ایک طرف قدرت کا یہ عطیہ اور دوسری طرف فرمان شاہی کے ذریعے وصول زر کی مخالفت نے ملک میں غلے کے ڈھیر لگا دیئے اور قوت خرید کی کمی کی وجہ سے ضرورت کی ہر چیز انتہائی ارزاں ہو گئی چنانچہ: [۳۴]

---

[۳۳] تاریخ داودی صفحہ ۹۵

[۳۴] " " "

ایک بہلولی روپے میں دس من غلہ۔ پانچ
سیر گھی اور دس گز کپڑا ملتا تھا۔"

اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ چونکہ غلے سے روپیہ خریدنا مقصود ہوتا تھا اس لئے ہر سستے سے سستے نرخ پر غلہ فروخت کر دیا جاتا تھا۔ دراں حالے کہ قدرت کی مہربانی سے پیداوار بہت زیادہ ہوتی تھی۔ زر کی مانگ اس قدر زیادہ بڑھ گئی تھی کہ: [سے]

پانچ تنکہ ماہوار پر سپاہی جو کنبہ والا ہوتا تھا ملتا تھا اور بیس یا (زیادہ سے زیادہ) تیس تنکہ ماہوار پر سوار۔ اگر کوئی دہلی سے آگرے کا سفر اپنے گھوڑے پر کرتا تھا اور اس کے ساتھ سائیس بھی ہوتا تھا تو وہ ایک بہلولی سکے میں نہایت آرام سے آگرے پہنچ جاتا تھا۔

[سے] تاریخ داودی صفحہ ۹۷